کتبِ سابقہ

میں

سید المرسلین ﷺ سے متعلق بشارتیں

مقصود احمد

Marfat.com

Marfat.com

کتبِ سابقہ

میں

سید المرسلین ﷺ سے متعلق بشارتیں

DATA ENTERED

مقصود احمد

ادارہ تحقیقات

اردو بازار کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بہ حق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب : کتب سابقہ میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں

مولف : مقصود احمد

ناشر : ادارہ تحقیقات

اشاعت : 2017ء

کمپوزنگ : محمد عمران ملک

تعداد : 600

قیمت : -/495

2017.44

ملنے کا پتہ:

بسم اللہ بک ہاؤس

نزد فضل الرحمان اسکول اردو بازار کراچی

خلیل ملک: 0312-2846175

Marfat.com

انتساب

حضرت نذیر احمد رحمانیؒ کے نام

جن کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے

میرے مردہ دل میں زندگی کی لہر دوڑ گئی

اور میرے اندر

ربِ ذوالمنن، سرکارِ دو عالمؐ، صحابۂ کرامؓ اور خاصانِ خدا سے

ایک قسم کا لگاؤ اور انس پیدا ہو گیا

جسے میں اپنے لیے

سرمایۂ حیات بھی تصور کرتا ہوں اور ذریعۂ نجات بھی

Marfat.com

بہ مصطفیٰؐ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
(اقبال)

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
انتساب	3
حرف آغاز	7
تعارف	10
باب اول	
عہد نامۂ قدیم میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں:	22
(۱) کتاب پیدائش کی بشارتیں	22
(۲) کتاب استثنا کی بشارتیں	25
زبور کی بشارتیں	53
غزل الغزلات کی بشارتیں	70
کتابِ یسعیاہ کی بشارتیں	75
کتابِ یرمیاہ کی بشارت	93
کتابِ دانیال کی بشارت	94
کتابِ حبقوق کی بشارت	97
کتاب حجّی کی بشارتیں	99
کتابِ ملاکی کی بشارت	102
باب دوم	
انجیلِ برناباس کی بشارتیں	106

Marfat.com

باب سوم	
عہد نامۂ جدید کی بشارتیں	115
(۱) انجیلِ متّی کی بشارتیں	115
(۲) انجیلِ مرقس کی بشارتیں	124
(۳) انجیلِ لوقا کی بشارتیں	125
(۴) انجیلِ یوحنّا کی بشارتیں	127
کتابِ اعمال کی بشارتیں	145
یہوداہ کے عام خط میں درج شدہ بشارت	146
مکاشفۂ یوحنّا میں منقول بشارتیں	148
اختتامیہ	154
تعلیقات وحوالہ جات	155
کتابیات	190

Marfat.com

حرفِ آغاز

کتبِ سابقہ میں نبیِ آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری سے متعلق بشارتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود قرآن کریم کی بعض آیتوں میں بھی ان کا ذکر آیا ہے اور یہ صراحت بھی موجود ہے کہ گزشتہ کتب مقدسہ میں آپ ﷺ کی نبوت کی علامتیں منقول تھیں۔اس کے علاوہ بعض احادیث شریفہ میں بھی ان کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے یہ ہمیشہ علمائے کرام کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہیں اور وہ ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں۔سیرت اور تفسیر کی شاید ہی کوئی کتاب ہوگی جس میں ان کی تفصیل نہ پائی جاتی ہو۔مگر سیرت اور تفسیر کی جن عربی اور اردو تصانیف میں ان سے بہ طورِ خاص تعرض کیا گیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں: سیرت ابن اسحاق از ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، جلد اوّل از ابنِ ہشام، اظہار الحق از مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، تفسیرِ حقانی، جلد چہارم از مولانا عبدالحق حقانیؒ، الخطبات الاحمدیہ از سر سید احمد خاںؒ، رحمۃ اللعالمین جلد اول و دوم از قاضی سلیمان منصور پوریؒ، النبی الخاتم از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، تفہیم القرآن، جلدِ پنجم از مولانا مودودیؒ، سیرت سرورِ عالم، جلد اول از مولانا مودودیؒ اور تدبرِ قرآن، جلدِ ہشتم از مولانا امین احسن اصلاحیؒ۔

جب مجھے خاتم النبیین والمرسلین ﷺ سے متعلق بشارتوں کی تفصیل کا علم ہوا تو اس موضوع پر عام فہم انداز میں ایک مقالہ سپردِ قلم کرنے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔چناں چہ، دست یاب کتب کی ورق گردانی اور کچھ دنوں کی محنت و جاں فشانی کے بعد جیسے تیسے ایک مقالہ وجود میں آ گیا،لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی نظر ثانی کرتے وقت اس میں جگہ بہ جگہ تشنگی کا احساس ہوا۔آخر کار اس کے ازالے کے لیے دست یاب مآخذ کی ورق گردانی از سرِ نو کرنی پڑی۔اس اثنا میں کچھ اور کتابیں بھی ہاتھ آئیں۔ان کے مطالعے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔مطالعے سے فراغت کے بعد مقالے کو دوبارہ لکھنا شروع کیا، تو تفصیل و تشریح کے باعث اس کی ضخامت میں برابر اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اس نے باقاعدہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر لی۔اس میں بشارت سے متعلق منتشر اور بکھری ہوئی معلومات و تفصیلات کو منظم اور مربوط انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔سہولت اور آسانی کے پیشِ نظر اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔بابِ اوّل عہد نامۂ قدیم (Old Testament) کی بشارتوں پر مشتمل ہے۔اس میں کتاب پیدائش اور کتاب استثنا کی بشارتوں کے علاوہ زبور، غزل الغزلات، کتاب

Marfat.com

یسعیاہ، کتاب یرمیاہ، کتاب دانیال، کتاب حبقوق، کتاب حجی اور کتاب ملاکی بشارتوں کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ باب دوم میں انجیل برنا باس (جس کو اناجیلِ اربعہ پر تقدمِ زمانی حاصل ہے) کی بشارتیں زیر بحث آئی ہیں اور باب سوم میں عہد نامہ جدید (New Testament) کی بشارتوں سے تعرض کیا گیا ہے۔ جو اناجیل اربعہ۔ متّی، مرقس لوقا اور یوحنا۔ و دیگر کتب پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر خامہ فرسائی کا اصل مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیمات وارشادات کی صحیح تصویر پیش کرنا، مخفی حقائق کو الم نشرح کرنا نیز مسلمانوں اور اہل کتاب حضرات کے مابین زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ اگر اس عظیم اور پاکیزہ مقصد میں مجھے ذرا بھی کامیابی حاصل ہوئی، تو میں اسے اپنی خوش نصیبی تصور کروں گا۔

اس پر آشوب دور میں جہاں الٰہیات اور علوم دینیہ سے بے اعتنائی عام ہے، ربّ کریم کی طرف سے مجھے سرکار دو عالم ﷺ سے متعلق بشارات پر قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی ہوئی، اس پر میں اس کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ اے کاش کہ میری یہ ادنیٰ اور ناچیز کوشش میرے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بن جائے۔

اب کچھ املا کے بارے میں۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اقتباسات اور دو ایک کتابوں کے عنوانات میں بعض الفاظ کے املا میں تصرف سے کام لیا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم (۱۸۸۵ء-۱۹۷۲ء) اور رشید حسن خاں صاحب کے وضع کردہ اصول وقواعد کی پیروی کی گئی ہے۔ البتہ بہت سے الفاظ دو، تین یا چار طرح لکھے گئے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: ابرٰہیم، ابراہیم اور ابرہام، اسحٰق، اسحاق اور اضحاق، اسمٰعیل اور اسماعیل، توریة، تورات اور توریت، یزدجرد اور یزدگرد، پولوس اور پولس وغیرہ۔ واضح رہے کہ ایسا قرآنِ کریم، بائبل اور دیگر مصادر کے تتبع میں کیا گیا ہے۔ اول الذکر تینوں ناموں کو میں نے اپنی عبارتوں میں اردو قاعدے کے مطابق، ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور اسماعیلؑ لکھا ہے۔ جہاں تک چوتھے لفظ کا تعلق ہے، اسے لفظِ ''انبیاء'' اور ہمزہ پر ختم ہونے والے اس قبیل کے دوسرے لفظوں کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن اور حدیث کی کتابوں سے جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں تو ہمزہ برقرار رکھا گیا ہے، لیکن دیگر مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک حوالوں اور حواشی کے اندراج کا تعلق ہے، اس سلسلے میں دو طریقے اپنائے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ضخامت کم کرنے کی غرض سے زیادہ تر حوالے متن کے پہلو بہ پہلو ہی درج کر دیئے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تشریح وتوضیح طلب امور کی تفصیل ''تعلیقات وحوالہ جات'' کے تحت علیٰحدہ فراہم کی گئی ہے۔ بعض کتب میں حوالے غلط درج تھے۔ لہٰذا اصل مآخذ کی مدد سے ان کو درست کرنے کی حتی

Marfat.com

المقدور کوشش کی گئی ہے۔ بعض مباحث کے ضمن میں ایسا بھی ہوا ہے کہ مصادرِ اصلیہ تک رسائی ممکن نہیں ہو سکی۔ ان صورتوں میں چارو ناچار ثانوی مآخذ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اصل مصادر کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔ مآخذ کے عنوانات عموماً مکمل طور پر درج کیے گئے ہیں، مگر چند مقامات پر مخففات بھی استعمال ہوئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے: س برائے سیرت النبی، ب س ق ت برائے بائبل سے قرآن تک، خ ا برائے الخطبات الاحمدیہ، ق ق برائے قصص القرآن اور GOB برائے The Gospel of Barnabas۔

محترمی پروفیسر عبدالقادر جعفری، صدرِ شعبۂ عربی و فارسی، الٰہ آباد یونیورسٹی، کا صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے "برناباس کی انجیل (اردو ترجمہ از آسی ضیائی) عاریتاً عنایت فرما کر مجھے اس سے استفادے کا موقع فراہم کیا۔

اس موقعے پر حضرتِ عتیق احمد عتیقؔ، مدیرِ توازن، مالیگاؤں، اور ان کے لختِ جگر، مسعود عتیقی صاحب، کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی، کیوں کہ ان دونوں حضرات نے اس کتاب کی کمپوزنگ کا اہتمام کر کے مجھ پر بڑا کرم فرمایا ہے۔ کمپوزنگ کے آخری مرحلے میں میرے شاگردان رشید، تنویر علی شمسی اور محمد یونس پیرانی، نے میری خاص مدد کی ہے۔ میں ان کی مخلصانہ و بے غرضانہ مساعدت اور جذبۂ اطاعت شعاری کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں، پروفیسر فیضان اللہ فاروقی صاحب کا بھی دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں کہ موصوف نے میری اس پیش کش کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری بہ طیبِ خاطر قبول فرمائی۔ خالد فیصل صاحب نے پروف کی تصحیح اور کتاب کی سیٹنگ کا فریضہ بہ خیر و خوبی انجام دیا۔ اس کے لئے وہ خاص طور پر شکریے کے مستحق ہیں۔ اگر مذکورہ تمام حضرات کی اعانت اور کرم فرمائی شاملِ حال نہ ہوتی، تو اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے میں گوناگوں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا خاتمہ بہ خیر کرے:

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"۔

مقصود احمد

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

مطابق ۱۵/ مئی ۲۰۰۳ء

جمعرات

Marfat.com

تعارف

حضور اکرم ﷺ کا ذکرِ مبارک عہد نامۂ قدیم (Old Testament)، انجیل برناباس (The Gospel of Barnabas) اور عہد نامۂ جدید (New Testament) میں بشارت کی شکل میں وارد ہوا ہے۔ ان کتابوں میں منقول بشارتوں میں کہیں تو آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم لیا گیا ہے، کہیں آپ ﷺ کے لئے ''مسیح'' (بہ معنی مامور من اللہ) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کہیں آپ ﷺ کے لئے ''وہ نبی'' آیا ہے، کہیں آنؐ جناب کو ''قابلِ تعریف'' (Admirable)، امین اور صادق قرار دیا گیا ہے، کہیں ایسے واضح اور غیر مبہم فقرے استعمال ہوئے ہیں جو بالکل کلمۂ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے ہم معنی ہیں اور کہیں ایسے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو صاحبِ لولاک اور نبی آخر الزماں کی ذاتِ گرامی کے سوا کسی اور ہستی پر منطبق نہیں ہوتے۔ اسی کے ساتھ ان میں آپ ﷺ کی بعثت سے متعلق حضرتِ ابراہیمؑ سے کیے گئے وعدۂ خداوندی کی صراحت بھی پائی جاتی ہے، آپ ﷺ کا عربی واسماعیلی ہونا بھی مذکور ہے نیز فاران (مکہ) اور کوہِ سلع، واقع مدینۂ منورہ، کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہی نہیں، بل کہ ان میں جنگِ بدر اور فتحِ مکہ وغیرہ کے اشارات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ان بشارتوں سے بہ خوبی واقف تھے اور آپ ﷺ کی آمد کے منتظر بھی تھے، جس کی تائید قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے ہوتی ہے :

(۱) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التورٰتہ والانجیل. (۷:۱۵۷)

(جو لوگ اس اُمّی رسول اور نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں)۔

(۲) واذقال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لمابین یدیّ من التورٰتہ ومبشراً برسول یّاتی من بعدی اسمہ احمد. (۶۱:۶)

(یاد کرو جب حضرتِ عیسیٰ ابنِ مریمؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو میرے سامنے موجود ہے اور خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام ''احمد'' ہوگا)۔

بعض احادیثِ شریفہ میں بھی اس امر کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ، انسؓ بن مالک سے

Marfat.com

روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے وہ بیمار پڑا۔ آں حضرت ﷺ اس کی عیادت کو گئے اور اس کے باپ سے پوچھا کہ کیا میرا ذکر تم تورات میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ''نہیں''۔ لڑکے نے فوراً جواب دیا ''ہاں'' یارسول اللہ! آپ ﷺ کا ذکر ہم نے تورات میں پڑھا ہے، اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا یا اپنے باپ کے مشورے سے مسلمان ہو گیا (صحیح البخاری، جلد اول، کتاب الجنائز اور بیہقی بہ حوالۂ سیرت النبی، ج ۳، از سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۷۶ء ص ۸۲۸)۔ اس کے بعد غالباً اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کو وہ شرف حاصل ہوا جس کی آرزو ہر صحابی کو ہوا کرتی تھی، یعنی آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ اس کے جنازے کی نماز پڑھی (دیکھیے اہلِ کتاب صحابہؓ و تابعینؒ از مولانا مجیب اللہ ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۲)۔

اس سلسلے کی ایک اور روایت ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ میں بھی درج ہے، جس کا تعلق ابن الھیّبان نامی ایک یہودی عالم سے ہے۔ یہ عالم اصل میں شام کا رہنے والا تھا، مگر وہاں سے مدینہ (یثرب) چلا آیا تھا۔ مدینہ میں اس کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ وہاں کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا، تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا۔ میں اگر زندہ رہتا، تو اس کا اتباع کرتا۔ دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ، بنی قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ (دیکھیے ج ۱، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۹۷۔ نیز دیکھیے اہلِ کتاب صحابہؓ اور تابعینؒ از مولانا مجیب اللہ ندوی، ص ۵، حاشیہ نمبر ۱)۔

چنانچہ، جب حضرت اُسیدؓ کو بنی قریظہ کے قبیلے کے افراد کے متعلق سعد بنؓ معاذ کے فیصلے کا علم ہوا، تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ ان لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الھیّبان کی بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو اور اس نبی برحق کا اتباع کرو مگر یہود (یعنی بنی قریظہ کے لوگوں) نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اُسیدؓ بن سعید اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا۔ (دیکھیے استیعاب، ذکر اُسید، ج ۱، ص ۳۶، بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ اور تابعینؒ، ص ۵)۔ دیگر بالغ مرد، حضرتِ سعدؓ کے فیصلے کے مطابق قتل کر دیے گئے۔

Marfat.com

اس قسم کی دو روایتیں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی معرکہ آرا کتاب ''اظہار الحق'' (اردو ترجمہ معروف بہ ''بائبل سے قرآن تک'') میں بھی درج ہے۔ ان کی تفصیل آگے عبداللہ بن صوریا حُیّ ابن اخطب اور ابو یاسر کے حالات کے ذیل میں آئے گی۔ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ابن سعد، ابن اسحاق، مسند احمد، تاریخ بخاری، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی معجم طبرانی، دلائل ابونعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں ایک آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے۔ (دیکھیے سیرت النبی، ج ۳ ص ۸۲۷) اور عربوں اور یہودیوں میں جب یہ لڑائی ہوتی، تو یہود کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں۔ ان کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی (ایضاً، ص ۸۲۸) اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہود عرب ہی میں ایک پیغمبر کی آمد کے منتظر تھے۔

چنانچہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے ابدی مشن کا آغاز فرمایا، تو انہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق تورات کے بیان کردہ مختلف علامات کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضرِ خدمت ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کی تشفی ہوجاتی تھی، تو وہ مسلمان ہوجاتے تھے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۸۲۹)۔

علمائے یہود میں سے جو لوگ ایمان لائے، ان میں حضرت عبداللہؓ بن سلام، حضرت ثعلبہؓ بن قیس، حضرت ابو مالکؓ، حضرت اُسید بن سعید (ان کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے)، حضرت مخریقؓ، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت میمونؓ بن یامین، حضرت کعبؓ احبار، حضرت وہبؓ بن منبہ وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ان کے علاوہ، دیگر ایمان لانے والے علمائے یہود کے حالات ''اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ'' میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

کچھ یہود ایسے بھی تھے، جو اپنے سوال کا صحیح اور معقول جواب پانے کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے تسع بیّنات کے متعلق سوال کیا (جس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے) ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو، آپس میں قتل و خوں ریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو، جادوگری اور سود خوری سے باز آؤ، پاک باز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال لینے کی کوشش نہ کرو۔ آپ ﷺ جب یہ سب ارشاد فرما چکے، تو انہوں نے

Marfat.com

آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دیا اور پکار اٹھے ''نشھد انک نبی'' (ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بیشک نبی ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے، تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ انہوں نے کہا ''ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ ﷺ کا اتباع کیا، تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے'' (مسند طیالسی، ج ۵ ص ۱۶۰، بہ حوالہ ''اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ'' ص ۷۴۔۷۵)

اس ضمن میں یہ بتانا نامناسب نہ ہوگا کہ یہود کے تین مخصوص طبقے تھے، جن کے بعثت نبوی سے متعلق تین مختلف نظریے تھے۔ ایک طبقے کا خیال یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد کسی نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الٰہی کا نزول نہ ہوگا۔ لیکن یہ طبقہ بہت محدود تھا اور اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

دوسرے طبقے کا نظریہ یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا، اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا، تو ہر معاملے میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے بار بار آپ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔ اس خیال کے یہودی بہ کثرت تھے، اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ تو نبوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود تصور کرتا تھا، بل کہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق، یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود کا اعتدال پسند گروہ تھا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا منتظر تھا، اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا۔ مگر محض ذاتی مصلحت کے تحت بعض افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا، اور ان کے ساتھ رہے اور دولت ایمان سے محروم رہے۔ (یہ تفصیلات ''اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ'' سے ماخوذ ہیں دیکھیے ص ۶۸۔۶۹)

یہود کی طرح، عیسائی حضرات بھی ان بشارات سے آگاہ تھے اور ان کی مانند، وہ بھی ایک پیغمبر کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ اس بات کے ثبوت میں درج ذیل روایتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۱) ''سعدؓ بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا، تو میرے چچا ابان بن سعید، رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ (مکہ سے) بہ غرض تجارت شام گئے۔ وہاں بکاء الراہب سے، جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے، ملاقات ہوئی۔ انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ بکاء نے نام دریافت کیا۔ کہا ''محمد ﷺ'' پھر پوچھا ''کتنے زمانے سے وہ اپنے کو نبی کہتے ہیں'' جواب دیا کہ بیس برس سے۔ اس کے بعد، بکاء

Marfat.com

نے کہا کہ کہو تو میں ان کی صفات بیان کروں۔ ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی۔ اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا۔ میرا اسلام ان کو پہنچا دینا۔ یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔''

''اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے، تو سب سے پہلے آں حضرت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور بکاء سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد، ابان نے آں حضرت ﷺ کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے'' (ماخوذ از اہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ، ص ۱۱۰، ۱۱۱) مجیب اللہ ندوی صاحب نے مندرجہ روایت کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ اگر دے دیتے، تو اچھا ہوتا)۔

(۲) صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ ''جب قاصد نبوی دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے دربار میں پہنچے اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے، آں حضرت ﷺ کے متعلق چند استفسارات کیے ہیں اور ابوسفیان نے ان کے جوابات دیے ہیں، ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا ''تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے، تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اسی کے قبضے میں ہوگی۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر ممکن ہوتا، میں خود جا کر اس کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا، تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔'' (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی، جلد اول، کتب خانہ رشدیہ، دہلی، ص ۴، اور صحیح مسلم مترجم، جلد پنجم، دہلی، بدونِ تاریخ، ص ۴۷، نیز دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۲۵، ۸۲۶)۔

(۳) ''صحیح بخاری (جلد اول) میں یہ بھی ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا، اس نے بیان کیا کہ ہرقل، قیصر روم، منجم تھا۔ ایک دن وہ دربار میں آیا، تو اس کا چہرہ متغیر تھا۔ کسی درباری نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ ''ملک الختان'' (ختنے کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہو گیا۔ تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے۔ درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں، اس لیے آپ مضطرب نہ ہوں۔ صوبوں میں حکم جاری کر دیجیے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں، سب قتل کر دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔ قیصر نے کہا ''دریافت کرو کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟'' اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا، تو اس نے کہا ''ہاں یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے'' اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا ''اگر تم کو اپنی

Marfat.com

سلطنت بچانی منظور ہے، تو اس پر ایمان لاؤ'' درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا، مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا۔ قیصر نے اس کو لکھا، تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔ (باب مذکور، ص ۵۔ نیز دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۲۱، ۸۲۲)۔ اس کا حوالہ کتاب ملاکی کی بشارت کے تحت بھی آئے گا۔

(۴) اصابہ میں درج شدہ ایک روایت کے مطابق، ہرقل (شہنشاہ روم) کو آں حضرت ﷺ نے حضرت دحیہ الکلبیؓ کے ذریعے نامہ اسلام بھیجا، تو ہرقل نے کہا کہ محمد (ﷺ) یقیناً نبی ہیں۔ لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ پھر اس نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، تو انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا ''لنعرفه باسمه و وصفه'' (ہم ان کے نام اور ان کی صفات سے واقف ہیں)۔ پھر وہ اندر گئے، اپنا مخصوص لباس اُتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آں حضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا۔ یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل نے کہا ''خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا، تو انہوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں تو اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا'' (اصابہ، ذکر ضغاطر، بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱۱۳)

آخر میں نجاشی حبش سے متعلق چند روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

جب حضرت جعفرؓ نے نجاشی (یہ حبشی زبان کے لفظ ''نگوس'' بہ معنی ''بادشاہ'' کی معرب شکل ہے۔ دیکھیے رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۷، حاشیہ) کے حضور تقریر کی اور سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، تو عربی دانی کی وجہ سے ان کا مطلب سمجھ لیا اور اس پر رقت طاری ہوگئی حتیٰ کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے دربار میں موجود پادریوں کی حالت بھی غیر ہوگئی۔ آخر میں اس نے کہا ''خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔'' (دیکھیے سیرت النبی از علامہ شبلی، ج ۱، اعظم گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۲۳۸ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۲۰۲، سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۲۹ اور تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق حقانی، ج ۲، دہلی، ص ۳۰۱)۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہجرت حبشہ کے وقت سرکار دو جہاں ﷺ نے حضرت جعفرؓ کو

Marfat.com

ایک خط بھی عنایت کیا تھا، جو نجاشی کے نام تھا۔ حضرت جعفرؓ نے اس خط کو غالباً اسی موقعے پر نجاشی کے حوالے کیا ہوگا۔ خط مذکور کے آخر میں یہ الفاظ تھے ''میں اپنے چچا زاد بھائی جعفرؓ کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان کے ساتھ کچھ اور بھی مسلمان ہیں۔ جب یہ تیرے پاس پہنچیں، تو ان کی مہمان داری کرنا۔'' (دیکھیے خطبات بہاولپور از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۶۳ نیز دیکھیے Letters of the Holy Prophet از سلطان احمد قریشی، دہلی، ۱۹۸۶ء، ص ۴۹)۔

اس ضمن میں یہ تحریر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا خط کا اصل مسودہ اس وقت دمشق میں موجود ہے۔ (دیکھیے محمد رسول اللہ (انگریزی) از ڈاکٹر حمید اللہ، حیدر آباد، ۱۹۷۴ء، ص ۱۰۱ اور رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۹، ۱۴۲)۔

بہ ہر کیف، دوسرے دن جب حضرت جعفرؓ نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا یہ عقیدہ بیان کیا کہ ''وہ اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر، اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ پر القا کیا تھا'' تو نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا ''واللہ جو تم نے کہا حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں'' (دیکھیے سیرت ابن اسحاق، اردو ترجمہ از نور الٰہی ایڈوکیٹ، تحقیق و تعلیق از ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم (۱۹۰۸ء-۲۰۰۲ء) ج ۱، ص ۲۰۲ اور مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۲۰۲، بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۳۰)۔ حمید اللہ صاحب کے سنین ولادت و وفات معارف بابت مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۳، نیز کتاب نما، بابت اپریل ۲۰۰۳ء، ص ۳۸ سے ماخوذ ہیں)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی روایت کے مطابق اس موقعے پر نجاشی نے یہ بھی کہا ''مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں، اور وہ وہی رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) نے دی تھی۔'' (مسند احمد اور طبرانی، بہ حوالہ سیرت سرور عالم، ج ۲، از مولانا مودودی، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۵۹۱) ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اس مفہوم کی ایک روایت درج ہے، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ قال النجاشی اشھد انہ رسول اللہ و انہ الذی بشر بہ عیسیٰ ابن مریم، ترجمہ: ''نجاشی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (آں حضرت ﷺ) بے شک اللہ کے رسول ہیں اور وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے دی ہے'' (ماخوذ از اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱۰۸)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کے قبول اسلام کی باقاعدہ اطلاع سرور کونین ﷺ تک نہیں پہنچی تھی۔

Marfat.com

اسی وجہ سے آپ ﷺ کو خط کے ذریعے دعوت اسلام دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے شروع میں نجاشی کو دعوت اسلام کا ایک خط بہ دست عمروؓ بن امیہ ارسال کیا، جس کا متن سیرت ابن اسحاق کے ص ۳۱۹ پر درج ہے۔ اس کے جواب میں نجاشی نے عریضے میں لکھا بھیجا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔'' اس کے علاوہ اس نے حضرت جعفرؓ کے دست حق پرست پر باقاعدہ بیعت اسلام بھی کی۔ (دیکھیے طبری، ج ۳، ص ۱۵۲۹، بدون تاریخ، بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۷۰)

قیاس اغلب یہ ہے کہ نجاشی کے ساتھ اس کا بیٹا اور دیگر علمائے نصاریٰ بھی اسلام کی نعمت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔ بعدازاں، اصحمہ نجاشی نے اپنے بیٹے، ارمی کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لئے مدینہ بھیجا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی۔ (ایضاً)

نجاشی خود بھی آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونا چاہتا تھا، مگر مصروفیت کے باعث وہ ایسا کرنے سے قاصر رہا۔ اس نے اپنی مجبوری اور حسرت کا اظہار اپنے عریضے میں ان الفاظ میں کیا۔ ''اگر سلطنت کی ذمے داری کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا، تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر حضور ﷺ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا۔'' (ابوداؤد، کتاب الجنائز، بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ، ص ۱۰۹، حاشیہ نمبر ۱)

مذکورہ بالا وفد تو مدینے کے لئے روانہ ہوا تھا، مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس کے بہت پہلے بیس طالبان حق پر مشتمل ایک اور وفد مکہ آچکا تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں درج ایک روایت کے مطابق، اس وفد کے افراد نے مکے میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر آپ ﷺ سے چند سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرماکر ان لوگوں کو دعوت اسلام دی، تو انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کرلی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

''ہجرت حبشہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر حبشہ میں پھیلی، تو وہاں کے نصاریٰ کا وفد جو تقریباً بیس آدمیوں پر مشتمل تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت مکے میں تھے۔ یہ وفد آپ ﷺ کو مسجد حرام میں ملا اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے باتیں کیں اور کچھ سوالات کیے۔ قریش کے لوگ اس وقت کعبے کے اردگرد اپنی مجلسوں میں تھے۔ جب وفد کے

Marfat.com

لوگ سوالات سے فارغ ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارکان وفد کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ان صفات کو پہچان لیا جو آپ ﷺ کے متعلق ان کی کتاب میں موجود تھیں۔ جب وہ آں حضرت ﷺ کے پاس سے اٹھے، تو ابو جہل قریش کے کچھ لوگوں کی معیت میں ان سے ملا۔ قریش نے نصاریٰ کے وفد سے کہا ''اللہ تمہیں نا امید کرے۔ تمہارے اہل دین نے تمہیں اس لیے بھیجا کہ تم اس شخص کے حالات کی تحقیق کر کے آؤ اور انہیں خبر دو۔ لیکن تم اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی تصدیق کر دی۔ تم سے زیادہ احمق وفد تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔'' ارکان وفد نے جواب دیا۔ ''سلام ہے تم کو، ہم نادانی میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم اپنے آپ کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔'' کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

الذین اتیناھم الکتٰب من قبلھم بہ یؤمنون ٥ و اذا یتلیٰ علیھم قالو آمنا بہ انہ الحق من ربنا ٥ وانا کنا من قبلہ مسلمین ٥ اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ ومما رزقنھم ینفقون ٥ واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ وقالو لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلٰم علیکم لانبتغی الجٰھلین ٥ (۲۸: ۵۲ تا ۵۵)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، اور جب وہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے بھی مسلمان تھے (یعنی دین اسلام کے پیرو تھے) ان لوگوں کو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا۔ وہ برائی کو بھلائی اور نیکی سے دفع کر دیتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ (کسی سے) کوئی لغو اور بے ہودہ بات سنتے ہیں، تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم کو سلام ہے، ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔'' (سیرت ابن اسحاق، ص ۳۰۳، ۳۰۴، نیز دیکھیے السیرۃ النبویۃ، ج ۲، بیروت ۱۹۸۷، ص ۲۸، ۲۹ اور سیرت سرور عالم، ج ۲، دہلی ۱۹۸۴، ص ۵۹۳، ۵۹۴)۔

زیر بحث وفد کے بارے میں ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ اہل نجران کے

Marfat.com

نصاریٰ کا تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کون سا وفد تھا (دیکھیے سیرت ابن اسحاق ص ۳۰۴) ابن ہشام نے بھی السیر ۃالنبویۃ میں اس قول کو نقل کیا ہے (دیکھیے ج ۲، ص ۲۹) لیکن مولانا مودودی نے سیرت سرور عالم، جلد دوم میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو نجران کے بجائے حبشہ کے نصاریٰ کا وفد تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید مولانا نے موصوف کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ''مہاجرین کے اخلاق وکردار اور ان کی دعوت کا جو اثر اہل حبش پر پڑا اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ وہاں سے ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد مکہ آکر حضور ﷺ سے ملا۔'' (ایضاً ص ۵۹۳)۔

مندرجہ بالا روایت کے علاوہ سیرت ابن اسحاق میں حبشہ کے نصاریٰ کے وفد سے متعلق ایک اور روایت درج ہے۔ یہ وفد بارہ اشخاص پر مشتمل تھا، جسے (خود) نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ وہ آں حضرتؐ سے کچھ باتیں دریافت کرے اور تحقیق حال کے بعد اسے ٹھیک ٹھیک خبر دے۔ جب وفد مذکور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے اس میں شامل بارہ افراد کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی، تو سب رونے لگے (اور غالباً ایمان بھی لائے)۔ درج ذیل آیت کا تعلق انہی حضرات سے ہے۔

''واذا سمعوأ ماانزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشھدین. (۵:۸۳)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے، تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں اور وہ بول اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لائے، پس ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔''

یہ وفد سات راہبوں اور پانچ پادریوں یا پانچ رہبان اور سات پادریوں پر مشتمل تھا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکے ہی میں شرفِ ملاقات وزیارت سے بہرہ مند ہوا۔ متذکرہ بالا روایات کے تحلیل وتجزیے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مہاجرین جب مکے سے حبشہ پہنچے، تو وہاں نجاشی اور حضرت جعفرؓ کے مابین ایک مکالمہ ہوا جس کا نجاشی اور اس کے پادریوں پر خاصا اثر ہوا۔ اس کے بعد نجاشی نے قرآن کی حقانیت کو بھی تسلیم کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار کیا۔ چند دیگر حق پسند حضرات بھی اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اخلاق وکردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے یہاں تک کہ ان کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کے جمال جہاں آراء کے دیدار کی تمنا جاگ اٹھی۔ چنانچہ تقریباً ۲۰ حضرات حبشہ سے مکے کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ پہنچنے پر سب سے پہلے وہ آپ ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور

Marfat.com

ہوئے۔ پھر آپ ﷺ سے چند سوالات کیے اور اپنے سوالات کے تشفی بخش جوابات پا کر نیز قرآن مجید کی سحر طرازی سے مسحور ہو کر، لومہ لائم کی پروا کیے بغیر، وہ سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ادھر نجاشی نے بھی تازہ ترین صورتحال معلوم کرنے کی غرض سے یا مزید تحقیق اور تقویت کے لئے بارہ ارکان پر مشتمل ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وفد کے ارکان نے بھی قرآن سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اگر چہ محولہ بالا روایت میں ان کے واپس حبشہ جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، تاہم اس بات کا امکان ہے کہ ان میں سے بعض یا سب کے سب مشن کی تکمیل کے بعد حبشہ واپس آ گئے ہوں اور نجاشی سے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔ ہو بہو ۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے شروع میں نجاشی کو آپ ﷺ کا مکتوب گرامی موصول ہوا، جسے آپ ﷺ نے عمروؓ بن امیہ کے بہ دست ارسال فرمایا تھا۔ نجاشی نے اس دعوتی خط کا خیر مقدم کیا اور حضرت جعفرؓ کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت اسلام کر کے سعادت ابدی حاصل کی۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا اور کچھ دوسرے لوگ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر عرض نیاز کی غرض سے اس نے بارگاہ رسالت میں ۶۱ حضرات پر مشتمل ایک وفد مدینہ روانہ کیا، جس میں اس کا بیٹا، ارمی، بھی شامل تھا۔ مگر بد قسمتی سے یہ سارے حضرات سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ اگر چہ محولہ بالا مصادر میں ارمی اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے قبول اسلام کے بارے میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، پھر بھی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ نجاشی کے ساتھ وہ لوگ بھی حلقہ بہ گوش اسلام ہو گئے تھے۔ تبھی تو نجاشی نے ان کو عرض نیاز کی غرض سے خدمت نبوی میں بھیجا تھا۔ اس قیاس کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے ارمی کو تابعین میں شمار کیا ہے (دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱۰۴، ۱۰۵)۔ جب اس کا تابعی ہونا ثابت ہے، تو اس کے دیگر اصحاب کا تابعی ہونا بھی تقریباً مسلم ہے، کیونکہ ایسے اہم وفد میں اغیار کا موجود ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

اسد الغابۃ اور اصابہ میں ہے کہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی، تو جو لوگ نجاشی کے ساتھ دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے، انہوں نے مدینہ جا کر نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کی آرزو نجاشی سے ظاہر کی۔ نجاشی نے ان کو آپ ﷺ کی زیارت مبارکہ سے مشرف ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس کے بعد وہ حضرات مدینہ آئے اور غزوہ احد میں شرکت بھی کی۔ مگر امام ذہبی نے تجرید الصحابہ میں اس روایت کی تردید کی ہے۔ (دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۲، حاشیہ ۳)۔

البتہ، غرق ہونے والے وفد کے بعد، ایک کارواں کے مدینہ آنے کا ذکر بعض مستند روایتوں میں

Marfat.com

ضرور ملتا ہے۔ یہ قافلہ حضرت جعفرؓ کی معیت میں فتح خیبر کے روز (دیکھیے السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۲۳۲) ۷ھ میں مدینہ آیا تھا اور اس میں حبشہ کے بہتر (۷۲) آدمی شامل تھے۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت ابرہہؓ (ان کا اس ابرہہ سے کوئی تعلق نہیں جس نے کعبے پر چڑھائی کی تھی)، حضرت ادریسؓ، حضرت اشرفؓ، حضرت بحیراؓ (یہ وہ بحیرا نہیں ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات قبل نبوت شام میں ہوئی تھی)، حضرت تمامؓ، حضرت تمیمؓ، حضرت ذوجنؓ، حضرت ذومخمرؓ حضرت ذومناحبؓ (بعض لوگوں نے ذومناحب اور بعضوں نے ذومنارح بھی لکھا ہے)، حضرت ذومہدمؓ، حضرت عامر اور حضرت نافعؓ، (تفصیل کے لئے دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱ تا ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳ تا ۳۴، ۶۷، ۹۵، ۹۶)۔

یہ حضرات اور ان کے دوسرے اصحاب جن کے نام کا علم نہیں ہوسکا، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار و صحبت سے مشرف ہوئے۔

❋❋❋

Marfat.com

باب اول

عہد نامہ قدیم میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں

مندرجہ بالا روایات وتصریحات کے بعد سطور ذیل میں خاتم الانبیاء ﷺ کی آمد سے متعلق عہد نامہ قدیم انجیل، برنا باس اور عہد نامہ جدید میں وارد شدہ بشارتوں کی تفصیلات فراہم کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔اس کار خیر کی ابتداء عہد نامہ قدیم سے کی جائے گی۔اس کے جن صحائف وکتب میں یہ بشارتیں وارد ہوئی ہیں ان میں کتاب پیدائش، کتاب استثنا، زبو، غزل الغزلات، کتاب یسعیاہ، کتاب یرمیاہ، کتاب دانیال، کتاب حبقوق، کتاب حجیؔ اور کتاب ملاکی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) کتاب پیدائش کی بشارتیں:

لیجئے سب سے پہلے کتاب پیدائش کی وہ بشارت ملاحظہ فرمائیے جو دعا، قبولیت دعا اور وعدے کی شکل میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسماعیلؑ کی نسبت جو وعدہ فرمایا وہ کچھ یوں ہے۔''اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔'' (کتاب مقدس، بنگلور ۱۹۶۸ء، کتاب پیدائش ۱۷: ۲۰)

اسی سلسلے کی دوسری بشارت ان الفاظ میں منقول ہے۔

''اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے۔جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے، تو اس کی بات مان، کیوں کہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا اور اس لونڈی (حضرت ہاجرہ) کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا، اسی لیے کہ وہ تیری نسل ہے'' (کتاب پیدائش ۲۱: ۱۲، ۱۳)۔

آیات بالا میں بڑی قوم اور قوم کے الفاظ سرکار دو عالم ﷺ کی جانب اشارہ کر رہے ہیں، کیوں کہ بنی اسماعیلؑ میں سرکار مدینہ ﷺ ہی بڑی قوم یا قوم والے ہیں۔ان بشارات میں قرآن مجید میں وارد شدہ دعائے ابراہیمی اور اس کی قبولیت کا عکس نظر آتا ہے۔دعائے ابراہیمی کے اصل

1400125

Marfat.com

الفاظ یہ ہیں۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو اعلیھم اٰیتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم (۲:۱۵)

''اے پروردگار! ان (اولاد اسماعیل) میں ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا، جوان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے نیز ان کا تزکیہ کرے۔''

چوں کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اس دعا کی قبولیت کی مظہر تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا ''انادعوۃ ابی ابراھیم ''یعنی'' میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں'' (طبقات ابن سعد ومستدرک حاکم بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۸۳)۔

آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری سے متعلق کتاب پیدائش میں ایک اور پیشین گوئی کچھ اس طرح ہے۔

''یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی، اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک ''شیلوہ'' نہ آئے، اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی'' (۴۹:۱۰)

سلطان بایزید خاں کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہونے والے یہودی، عالم، عبدالسلام، نے اپنے رسالہ بہ عنوان ''الرسالۃ الھادیۃ'' میں اس بشارت کے جو الفاظ نقل کیے ہیں، ان میں ایک جملہ یہ ہے ''یہوداہ سے حاکم اور نہ اس کے پانو سے راسم (Lawgiver) ہٹے گا''۔ اسی طرح اس میں ''شیلوہ'' کے ساتھ ''فی آخرالایام'' کا لفظ بھی ہے (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۶۱، حاشیہ ۱۳ اور ص ۲۶۲، حاشیہ ۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالسلام نے جس بائبل سے نقل کیا ہے، اس میں مذکورہ بالا جملہ بھی موجود تھا اور لفظ بھی۔ لیکن بعد میں یہ دونوں حذف کردیئے گئے۔ البتہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں ''مشترع من بین یدیہ'' اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں ''A Lawgiver from bettween his feet'' آج بھی موجود ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے حواشی نمبر ۳ اور ۴۔

عبدالسلام موصوف نے اپنے مذکورہ رسالے میں اس آیت کی تشریح یوں بیان فرمائی ہے۔

''اس آیت میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت کے بعد، محمد ﷺ تشریف لائیں گے، کیونکہ حاکم سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں (۱) اسی لیے کہ یعقوبؑ کے بعد موسیٰ علیہ السلام تک کوئی شخص صاحب شریعت نہیں آیا۔ اسی طرح ''قانون دینے والا'' (راسم) سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں (۲) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک ان کے سوا کوئی

Marfat.com

صاحب شریعت نہیں آیا اور ان دونوں کے بعد، سوائے محمد ﷺ کے کوئی بھی صاحب شریعت نہیں ہوا۔ یعقوبؑ کے قول ''فی آخر الایام'' سے معلوم ہوا کہ اس کا مصداق ہمارے پیغمبر محمد ﷺ ہیں، اس لیے کہ حاکم اور صاحب شریعت کے حکم ختم ہو جانے کے بعد، آخری دور میں سوائے آپ ﷺ کے اور کوئی نہیں آیا۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ لفظ ''وہ آ جائے جس کے لئے وہ ہے'' (یہ عبارت موجودہ بائبل میں نہیں ہے۔ غالباً یہ شیلوہ'' کا ترجمہ ہے) سے مراد حکم ہے، کیونکہ آیت کا سیاق وسباق یہی بتاتا ہے۔ اور لفظ (بلکہ عبارت) ''اور تمام قومیں اس کی مطیع ہوں گی'' یہ اس بات کی صریح علامت ہے اور واضح دلیل ہے کہ اس کا مصداق یقیناً حضور ﷺ ہی ہیں، کیونکہ تمام قومیں آپ ﷺ کے سوا کسی کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئیں'' (بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۶۱، ۲۶۲) محولہ بالا آیت عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۴ء) میں اس طرح ہے۔

''اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ (وہ آ جائے جس کے لئے سب کچھ ہے) اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی'' (بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۰۹)۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''اس لفظ میں الذی لہ الکل'' (وہ جس کے لئے سب کچھ ہے) لفظ ''شیلوہ'' کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ یونانی ترجمے کے بے شک موافق ہے، مگر عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے ''اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ وہ آ جائے (کہ وہ جس کے لئے ہے) تمام قبیلے اس پر جمع ہو جائیں گے۔'' (ایضاً)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولاناؒ ارقام کہتے ہیں کہ ''اس مترجم نے لفظ ''شیلوہ'' کا ترجمہ الذی ھو لہ (۳) کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ترجمہ سریانی ترجمے کے مطابق ہے۔ عیسائیوں کے مشہور محقق ''دلیکلرک'' نے اس لفظ کا ترجمہ ''انجام'' (۴) کے ساتھ کیا ہے اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں لفظ ''شیل'' استعمال کیا گیا ہے (مگر اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں ''شیلوہ'' ہی مستعمل ہوا ہے۔ راقم) اور لاطینی ترجمے میں ''وہ جو عن قریب بھیجا جائے گا'' کے ساتھ ترجمہ کیا گیا (نیز بہ قول مولانا تقی عثمانی، کیتھولک بائبل میں اس کا ترجمہ ''جسے ہماری طرف بھیجا جائے گا سے کیا گیا ہے'' راقم)۔ گویا ہر ترجمہ کرنے والے نے اس لفظ کا ترجمہ وہ کیا جو اس کے نزدیک ظاہر و راجح تھا، حالانکہ یہ لفظ اصل میں اس شخص کے نام کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، جس کی بشارت دی گئی تھی۔'' (ایضاً۔ نیز دیکھیے اس صفحے کا حاشیہ نمبر ۱، از مولانا تقی عثمانی)

زیر بحث آیت کے ضمن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ

Marfat.com

کے درمیان ترتیب میں زبور کا نمبر ہے، تاہم اس عبارت میں اس کا ذکر کہیں بھی نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ عبد السلام موصوف کے نزدیک، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''زبور میں اول تو سرے سے احکام ہی نہیں ہیں، پھر داؤد علیہ السلام خود صاحب شریعت مستقلہ نہیں ہیں، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع ہیں اور اس مقام پر یعقوبؑ کی پیشن گوئی میں صاحب احکام لوگوں کا بیان ہو رہا ہے۔''

(بہ حوالہ مصدر مذکور، ص ۲۶۲)

(۲) کتاب استثنا کی بشارتیں:

کتاب استثنا (Deuteronomy) میں حضور اکرم ﷺ کی آمد سے متعلق کئی بشارتیں مذکور ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے۔

☆ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے انھی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے، تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا، لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے، تو وہ نبی قتل کیا جائے، اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیوں کر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو، تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں، بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے، تو اس سے خوف نہ کرنا۔''

(باب ۱۸: ۱۷ تا ۲۲)۔

آج کل کے علمائے یہود اسے حضرت یوشعؑ کی بشارت قرار دیتے ہیں جبکہ علمائے پروٹسٹنٹ اسے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت تصور کرتے ہیں۔ لیکن مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، سر سید احمد خانؒ، مولانا محمد حفظ الرحمٰنؒ، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ، سید سلیمان ندویؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ و دیگر علمائے اسلام کے نزدیک، یہ محمد ﷺ کی بشارت ہے، کیونکہ اس میں آنے والے نبی کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہوتے (۵)۔ مذکورہ بالا علمائے کرام میں سے حضرت مولانا کیرانویؒ نے محولہ بالا آیات کا قدرے مفصل جائزہ لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس بشارت کا تعلق صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ہے۔ اس سلسلے میں موصوف محترم نے دس دلائل بھی پیش کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

Marfat.com

(۱) جو یہودی حضرت عیسیٰؑ کے ہم عصر تھے، وہ ایک دوسرے نبی کے منتظر تھے، جس کی اس بات میں بشارت دی گئی تھی۔ ان کے نزدیک یہ شخص جس کی بشارت دی گئی حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا ہی تھا۔ لہذا یہ نبی جس کی بشارت دی گئی تھی نہ حضرت یوشعؑ ہو سکتے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰؑ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳ ص ۲۳۱)۔ اسی وجہ سے مفسرین بائبل متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ علمائے یہود نزول مسیحؑ کے وقت حضرت مسیحؑ کے علاوہ جس نبی کے منتظر تھے، وہ وہی نبی تھا جس کی بشارت استثنا (۱۸:۱۷) میں دی گئی ہے۔ ناکس کی تفسیر، جلد اول، ص ۹۹ بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۳۱، حاشیہ نمبر ۲، از مولانا تقی عثمانی)۔

(۲) اس بشارت میں لفظ ''تیری مانند'' واقع ہوا ہے، اور یوشعؑ اور عیسیٰؑ پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہوں۔ ایک تو اس لیے کہ وہ دونوں حضرات اسرائیلی ہیں اور یہ غیر ممکن ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی دوسرا پیدا ہو سکے جیسا کہ استثنا ہی کی درج ذیل آیت سے ثابت ہے۔

''اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند جس سے خداوند نے روبہ رو باتیں کیں، نہیں اٹھا۔'' (۳۴:۱۰)

دوسرے اس واسطے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشعؑ میں کوئی بھی مماثلت نہیں ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب ہیں اور ایسی نئی شریعت رکھتے ہیں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہے۔ اس کے برعکس، حضرت یوشعؑ ایسے نہیں ہیں، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی مکمل طور پر مماثلت نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ عیسائی نظریے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا اور رب ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے محض ایک بندے ہیں۔ اسی طرح عیسائی عقیدے کے بہ موجب، حضرت مسیحؑ کو سولی دی گئی تھی تاکہ وہ اپنی امت کے لئے کفارہ بن جائیں، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے کفارے کے طور پر مصلوب نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت، حدود و تعزیرات اور غسل و طہارت کے احکام نیز کھائی اور پی جانے والی حرام چیزوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اس قسم کے احکام سے خالی ہے، جس کی شہادت موجودہ انجیلیں دے رہی ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں رئیس و مقتدا تھے اور اپنے احکام اپنی قوم اور امت پر پوری طاقت سے جاری کرتے تھے، جبکہ حضرت عیسیٰ اس وصف سے متصف نہیں تھے، کیونکہ بہ قول مولانا تقی عثمانی، ان کے چند متبعین کے سوا دوسرے لوگ ان کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ (دیکھیے مصدر سابق، ص ۲۳۳، نیز

Marfat.com

اسی صفحے کا حاشیہ نمبر ۱)۔

(۳) اس بشارت میں لفظ ''انھی کے بھائیوں میں سے'' واقع ہوا ہے۔ بے شک اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان موجود تھے۔ اگر اس بشارت کا مقصد یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا، تو پھر یہاں ''ان ہی میں سے'' ہونا چاہئے نہ کہ ''ان کے بھائیوں میں سے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس بشارت والے نبی کا کوئی تعلق اور رشتہ صلبی و بطنی بنی اسرائیل کے ساتھ نہ ہو۔ چوں کہ حضرت یوشعؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں اسرائیلی ہیں۔ لہذا یہ بشارت ان پر ہرگز صادق نہیں آ سکتی۔ اس کا اطلاق تو بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل (پیدائش ۱۶: ۱۲) سے تعلق رکھنے والے نبی پر ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی برکت دینے کا وعدہ کیا گیا تھا (پیدائش ۱۷: ۲) اب اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ ہمارے نبی ہی صحیح معنوں میں اس بشارت کے مصداق قرار پاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنی اسماعیل سے تھا (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵۔ نیز دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، الخطبۃ العاشرہ، ص ۳۶۵)۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں کے ضمن میں حضرت مولانا کیرانویؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ''بنی اسرائیل کے بھائیوں'' خود بعض بنی اسرائیل کے لئے توریت کے بعض مقامات پر استعمال کیا گیا ہے، مگر یہ استعمال مجازی ہے، اور حقیقی استعمال کو ترک کر کے مجازی استعمال اس وقت تک اختیار کرنا جائز نہیں جب تک معنی حقیقی پر محمول ہونے کے لئے کوئی قوی مانع موجود نہ ہو۔ (ایضاً ص ۲۳۴، ۲۳۵)۔

(۴) اس بشارت میں لفظ ''برپا کروں گا'' پایا جا رہا ہے۔ جس وقت یہ بشارت دی گئی اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس موجود تھے اور آپؑ بنی اسرائیل میں بھی داخل تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپؑ نبوت سے بھی مشرف تھے۔ تو پھر یہ لفظ ان پر کیوں کر صادق آ سکتا ہے؟ (ایضاً، ص ۲۳۵)۔

(۵) اس بشارت میں لفظ ''اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' پایا جاتا ہے۔ یہ اس چیز کی جانب اشارہ ہے کہ اس نبی پر کتاب نازل ہوگی نیز یہ کہ وہ اُمّی ہوگا اور کلام کو محفوظ کرے گا۔ یہ چیز حضرت یوشعؑ پر صادق نہیں آتی، کیونکہ ان میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں۔ (ایضاً)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب نے حاشیے میں یہ بھی صراحت فرمادی ہے کہ اس بشارت سے حضرت عیسیٰؑ بھی مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ لوقا (۴: ۱۶، ۱۷) میں تصریح ہے کہ آپؑ نے کتاب یسعیاہ پڑھی تھی اور اُمّی نہ تھے۔ (دیکھیے محولہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۱)۔

Marfat.com

(۶) اس بشارت میں ایک جملہ یہ ہے ''اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے، تو میں ان کا انتقام (موجودہ اردو ترجمے میں یہاں لفظ ''حساب'' تحریر ہے) اس سے لوں گا، اور اس جملے کا مصداق اس نبی کی عظمت ظاہر کرتا ہے جس کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ نبی اس وصف میں دوسرے پیغمبروں سے امتیازی درجہ رکھتا ہو۔

اس کے ساتھ ہی یہاں جس انتقام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب یا وہ دنیوی مصیبتیں نہیں ہوسکتیں جو غیب سے منکرین کو پیش آئیں، کیونکہ اس قسم کا انتقام کسی خاص نبی کے انکار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر نبی کے انکار کا نتیجہ یہی ہوگا۔ ایسی صورت میں انتقام سے مراد تشریعی انتقام ہی ہوسکتا ہے (مطلب یہ کہ جو لوگ اس نبی کے احکام کو نہ مانیں، ان کے لئے اس کی شریعت میں مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہوں گی)، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نبی اللہ کی طرف سے اپنے منکرین سے انتقام لینے کے لئے مامور ہوگا۔ پھر ایسی حالت میں اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام کیوں کر ہوسکتے ہیں کہ ان کی شریعت حدود اور سزاؤں نیز قصاص وجہاد سے قطعی خالی ہے۔ (ایضاً، ص ۲۳۵، ۲۳۶، نیز دیکھیے ص ۲۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱ از مولانا تقی عثمانی)۔

(۷) ساتویں دلیل کے طور پر حضرت مولانا کیرانویؒ نے کتاب الاعمال کی درج ذیل آیات کو پیش کیا ہے ''پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے لیے مقرر ہوا ہے یعنی یسوعؑ کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے نبیوں کی زبانی کیا ہے، جو دنیا کے شروع سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی برپا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا، اور یوں ہوگا کہ جو اس کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست ونابود کردیا جائے گا۔'' (باب ۳: ۱۹ تا ۲۳)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت کیرانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ''یہ عبارت اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ یہ نبی مسیحؑ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، اور مسیحؑ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس نبی کے ظہور کے وقت تک آسمان میں قیام پذیر رہیں۔ مسیحیوں میں سے جو لوگ (کذا) تعصب کی عینک اتار کر پطرس کی عبارت (بہ قول مولانا عثمانی، یہ عبارت پطرس کی ایک تقریر کا جز تھی) میں غور کرے گا، تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ پطرس کا یہ قول علمائے پروٹسٹنٹ کے اس دعوے کی دھجیاں اڑا رہا ہے کہ یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔'' (ب س ت، ج ۳ تا ۲۳۷)۔

Marfat.com

پھر لکھتے ہیں کہ ''یہ ساتوں دلائل کامل و مکمل طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ بشارت پورے طور پر محمد ﷺ پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ غیر مسیح بھی ہیں اور بہت سی چیزوں میں موسیٰ علیہ السلام کے مماثل بھی۔'' (ایضاً،ص۔۲۳۷،۲۳۸)۔

اس کے بعد مولانا موصوف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان پائے جانے والے بعض مماثل اوصاف کا ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(۱) دونوں کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونا۔

(۲) دونوں کا ماں باپ سے پیدا ہونا۔

(۳) دونوں کا شادی شدہ اور صاحب اولاد ہونا۔

(۴) دونوں کی شریعت کا سیاست مدنی پر مشتمل ہونا۔

(۵) دونوں کی شریعت میں جہاد کا حکم۔

(۶) دونوں کی شریعت میں عبادت کے وقت پاک وصاف ہونا۔

(۷) ناپاک، حائضہ اور نفاس والی عورت پر دونوں شریعتوں میں غسل کا واجب ہونا۔

(۸) کپڑوں کے بول و براز سے پاک ہونے کی شرط۔

(۹) بغیر ذبح کیے ہوئے جانور اور بت کی قربانی کا حرام ہونا۔

(۱۰) آپ ﷺ کی شریعت کا بدنی عبادتوں اور جسمانی ریاضتوں پر مشتمل ہونا۔

(۱۱) زنا کی سزا کا حکم دینا۔

(۱۲) حدود اور قصاص اور سزاؤں کی تعیین۔

(۱۳) آپ ﷺ کا ان سزاؤں کے جاری کرنے پر قادر ہونا۔

(۱۴) سود کو حرام کرنا۔

(۱۵) آپ ﷺ کا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والے کے انکار کا حکم دینا۔

(۱۶) توحید خالص کا حکم دینا۔

(۱۷) آپ ﷺ کا اپنی امت کو یہ حکم دینا کہ مجھ کو اللہ کا صرف بندہ اور رسول کہو نہ کہ خدا کا بیٹا یا خدا۔

(۱۸) آپ ﷺ کی وفات کا بستر پر ہونا۔

(۱۹) موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کا مدفون ہونا۔

(۲۰) آپ ﷺ کی امت کی وجہ سے آپ ﷺ کا ملعون نہ ہونا۔ (ایضاً،ص ۲۳۸،۲۳۹)۔

Marfat.com

مولانا کیرانویؒ کی طرح، سید احمد خاںؒ نے بھی ان دونوں برگزیدہ پیغمبروں کے مابین پائی جانے والی چند اہم مشابہتوں پر روشنی ڈالی ہے، جن میں سے پانچ خاص یہ ہیں۔

(الف) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے کافر دشمنوں سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔

(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کا کلام دس احکام کی شکل میں بہ لفظ نازل ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کلام الٰہی بہ لفظ نازل ہوا جو قرآن اور کلام اللہ کہلاتا ہے اور آج بھی موجود ہے۔

(ج) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکال کر یکجا جمع کیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام متفرق اور مختلف عرب کی قوموں کو جو آپس میں نہایت دشمن اور کینہ ور تھیں، اکٹھا کر دیا بلکہ یک دل و یک جاں کر دیا اور اس پر عمدہ بات یہ کہ سب کو ایک خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنے والا کر دیا اور ایسا قوی کر دیا کہ کوئی اس کے مقابل نہ تھا۔

(د) ۱۰ھ میں اخیر مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور کوہ عرفات پر، مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے، کو ان برکت دی اور اپنی اخیر نصیحتیں کیں اور خصوصاً یہ نصیحت فرمائی کہ کمزوروں، مفلسوں اور عورتوں کو پناہ دو اور سود خوری سے پرہیز کرو۔

(د) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اخیر مرتبہ مسلمانوں سے پوچھا کہ میں نے کسی کا نقصان تو نہیں کیا اور کسی کا کچھ قرض تو مجھ پر نہیں ہے؟ (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۶۶، ۳۶۷)۔ آخری دو مماثلیں کوارٹرلی ریویو کے حوالے سے منقول ہیں۔

ان کے علاوہ ''رحمتہ اللعالمین'' از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری میں ایک اور اہم مماثلت مذکور ہے جو یہ ہے ''دونوں (پیغمبروں) کو اکتالیسویں سال کے شروع میں نبوت ملنا۔'' (جلد اول، دہلی، ۱۹۸۰ء ص ۹۷، حاشیہ)۔

مزید غور و خوض کرنے سے ان دونوں حضرات کی شخصیتوں اور شریعتوں میں پائی جانے والی اور بھی بہت سی مشترک صفات کا پتا چل سکتا ہے۔ چنانچہ انھی مماثلات و مشابہات کی بناء پر قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ:

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً (۷۳:۱۰)

''بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جو تم پر گواہ ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔''

Marfat.com

(۸) آٹھویں دلیل یہ ہے کہ اس بشارت میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ جو نبی اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے، جن کا خدا نے اس کو حکم نہیں دیا، تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں بھی اس کی تصدیق ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم القطعنا منه الوتین (۶۹:۳۶)

''اگر یہ پیغمبر (محمدؐ) بعض جھوٹی اور من گھڑت باتوں کو ہماری طرف منسوب کرتے، تو ہم ان کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے (یعنی ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے)۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر حضور ﷺ سچے نبی نہ ہوتے، تو آپ ﷺ ہلاک کر دیئے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ خدا نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ ان الفاظ میں فرمایا۔

والله یعصمک من الناس. (۶۷:۵)

''اللہ لوگوں سے آپ ﷺ کو محفوظ، و مصون رکھے گا۔''

(دیکھیے بائبل سے قرآن تک جلد سوم ص ۲۴۰)

تاریخ گواہ ہے کہ خدائے برحق نے اپنے اس وعدے کو پورا فرمایا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی آنچ نہ آ سکی۔ جس شمع کو خدائے تعالیٰ فروزاں رکھنا چاہتا ہے اسے سرکش سے سرکش ہوا بھی بجھانے کی جرأت نہیں کر سکتی، بلکہ الٹے اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

فانوس بن کے آپ حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

(۹) خدا نے جھوٹے نبی کی یہ علامت بیان فرمائی کہ اس کی دی ہوئی خبریں اور آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں سچی نہیں ہو سکتیں، حالانکہ حضور ﷺ نے بہت سے مستقبل کے واقعات کی خبریں اور پیشین گوئیاں بیان کیں، جن میں آپ ﷺ کا سچا ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے قاعدے کے بہ موجب، آپ ﷺ سچے نبی ہوئے نہ کہ جھوٹے۔ (ایضاً ص ۲۴۱)

(۱۰) علمائے یہود نے حضور ﷺ کی نسبت یہ تسلیم کیا کہ توریت میں آپ ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں۔ مگر ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض اپنے کفر سابق پر قائم رہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ مخریق آں حضرت ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کے ایک بڑے زبردست عالم اور دولت مند تھے، جو آپ ﷺ کی صفات کی بناء پر آپ ﷺ کو پہچانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ واقعی

Marfat.com

آپ ﷺ ہی وہ نبی آخرالزماں ہیں۔ جنگ احد کے موقعے پر انہوں نے یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہا اے یہودیو! خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی نصرت واعانت تم پر فرض ہے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ آج یوم السبت ہے۔ کہنے لگے کہ سبت کوئی چیز نہیں، اور یہ کہ ہتھیار سنبھال کر نکلے اور حضور ﷺ کی جانب چلے اور قوم کو وصیت کر گئے کہ اگر آج میں مارا گیا، تو میرا تمام مال محمد ﷺ کا ہوگا اور خدا کے حکم کے مطابق، آپ ﷺ کو اس پر تصرف کا اختیار ہوگا۔ پھر وہ پامردی سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۴۱، ۲۴۲)۔

جب انہوں نے شہادت پائی، تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ "مخریق سائق یهود" یعنی مخریق یہودیوں میں سے آگے جانے والے ہیں۔ (اصابہ، ج ۳، ص ۳۹۳ بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ، ص ۹۳)۔

ان کی شہادت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ان کی جائیداد، باغات اور مال واسباب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ آپ ﷺ مخریق کی اسی جائیداد اور اموال سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے۔ (بہ حوالہ سابق)۔

اس ضمن میں مولانا کیرانویؒ نے مزید دو روایتیں نقل فرمائی ہیں، جو حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت صفیہؓ بنت حُیَی سے مروی ہیں۔ ایک عبداللہ بن صوریا کے بارے میں ہے اور دوسری حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب سے متعلق ہے۔ ان کی تفصیل حواشی نمبر ۴۸، ۴۹ اور ۵۰ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔ ان دونوں روایتوں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمائے یہود بہ خوبی جانتے تھے کہ توریت میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۴۲، ۲۴۳)۔

مذکورہ بالا دس دلائل پیش کرنے کے بعد مولانا کیرانویؒ نے بشارت بالا میں موجود لفظ "انھی کے بھائیوں میں سے" کے تعلق سے ایک ممکنہ اعتراض کا جائزہ لے کر، اس کا مدلل اور تشفی بخش جواب عنایت کیا ہے، جس کو یہاں نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اعتراض اور اس کے مسکت جواب کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ "اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "بنی اسرائیل کے بھائی" بنی اسماعیل میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عیسو کی اولاد اور ابرہیمؑ کی بیوی قطورا کے بیٹوں کی اولاد بھی تو سب کے سب بنی اسرائیل ہی کے بھائی ہوتے ہیں، تو پھر اس کا مصداق کیا ضروری ہے کہ محمد ﷺ ہی ہوں؟" تو جواباً عرض ہے کہ "بے شک یہ لوگ بھی بنی اسرائیل کے بھائی ہوتے ہیں۔ مگر اول تو ان میں کوئی ایسا شخص

Marfat.com

ظاہر نہیں ہوا، جوان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا۔ دوسرے (یہ کہ) اللہ کا کوئی وعدہ اس قسم کا ان کے لئے نہ تھا۔ اس کے برعکس، بنی اسماعیل کے حق میں ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؓ سے خدا نے وعدہ کیا تھا (کتاب پیدائش، ۱۶: ۱۰ تا ۱۷: ۲۰ اور ۲۱: ۱۸) پھر تیسرے اس لیے بھی کہ اسحاق علیہ السلام کی دعا کے مقتضیٰ کے موافق اس خبر کے مصداق بنو عیسو نہیں ہو سکتے'' (ایضاً ص ۲۴۳، ۲۴۴) کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت یعقوبؑ کے حق میں تو یہ دعا فرمائی تھی کہ ان کی اولاد بڑھے گی اور وہ اپنے بھائیوں کے سردار ہوں گے۔ لیکن عیسو کے لئے صرف یہ دعا کی تھی کہ وہ اپنے بھائی کی خدمت کریں۔ (دیکھیے پیدائش، ۲۷: ۲۸ تا ۲۹ نیز ۳۹، ۴۰)۔

☆ کتاب استثنا کے مذکورہ باب میں ایک اور بشارت درج ہے جو کچھ اس طرح ہے ''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ۱۸: ۱۵)۔

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں یہ آیت یوں ہے: ''یقیم الرب الهک نبیاً من وسطک من اخوتک مثلی له تسمعون. '' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کیرانویؒ نے جس عربی ترجمے سے اس کو نقل کیا ہے، اس میں ''من وسطک'' کے بجائے ''من بینک'' اور ''من اخوتک'' کی جگہ ''من بین اخوتک'' ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۴۵) اور ۱۹۷۹ء کے انگریزی ترجمے میں یہ حسب ذیل ہے۔

"The Lord the God, will raise up into thee a Prophet from the midst of thee of thy brethren, like unto me: unto him ye shall hearken"

آیت بالا میں لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' مستعمل ہوا ہے، جو گزشتہ بشارت (استثنا ۱۸: ۱۸) میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مولانا کیرانویؒ نے تین توجیہات پیش کی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) بہ قول مولانا کیرانویؒ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے جہاں آپؐ کے مشن کی تکمیل ہوئی، اس وقت مدینہ کے اطراف وجوانب میں یہودیوں کی بستیاں خیبر، بنی قینقاع، بنی نضیر وغیرہ آباد تھیں۔ لہٰذا ''تیرے ہی درمیان سے'' کا قول صادق ہوا، اور اس لیے بھی کہ آپؐ ان کے بھائیوں میں سے ہیں۔ (ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۴۴، ۲۴۵)۔

(۲) لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' اس لئے بھی صادق ہوا کہ لفظ ''من بین اخوتک'' ابن

Marfat.com

حاجب کی رائے کے مطابق، لفظ ''مِن بینک '' سے بدل اشتمال واقع ہوا ہے یا پھر ابن مالک کی رائے کے مطابق، بدل احزاب ہے اور بہر صورت، مُبدَل مِنہُ یقیناً مقصود نہیں ہے۔ اس کے مقصود نہ ہونے پر یہ چیز مزید شاہد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے اس وعدے کا اعادہ کیا، تو اس میں لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور ص ۲۴۵)۔

حضرت مولانا عنایت اللہ رسول چریا کوٹیؒ نے بھی ''تیرے ہی بھائیوں میں سے'' کو ''تیرے ہی درمیان سے'' کا بدل تسلیم کیا ہے۔ اور کتاب استثنا کی منقولہ بالا آیت میں موجود لفظ ''یعنی'' بھی اس کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔

''اب اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتانا تھا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہونے کا، بلکہ برادران بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ پس اگر اس مقام پر صرف یہی کہا جاتا کہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا، تو یہ بات بہ خوبی روشن نہ ہوتی کہ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا، کیونکہ اگر قوم کو صرف یہ کہا جاوے کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا، تو اس وقت یہ احتمال کہ اسی قوم میں سے کوئی ہو زائل نہیں ہوتا۔ اس لیے اولاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''تجھ میں سے'' اور پھر اس کا بدل واقع ہوا ''تیرے بھائیوں میں سے'' تو اس سے صاف متیقن ہوگیا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ پس اس طرز کلام سے بنی اسرائیل میں سے اس نبی موعود کے مبعوث ہونے کا احتمال بالکل زائل ہو جاتا ہے اور الفاظ کہ ''تیرے بھائیوں میں سے'' الفاظ ''تجھ میں سے'' کا بیان تصور نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر مقصود یہ ہوتا کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل میں سے ہوگا، تو خود الفاظ ''تجھ میں سے'' ہی زیادہ تر اس مطلب کا بیان کرتے تھے بہ نسبت الفاظ ''تیرے بھائیوں میں سے'' کے۔ پس کسی طرح یہ پچھلے الفاظ کی تفسیر اور بیان نہیں ہو سکتی (کذا) بلکہ وہ پہلے الفاظ کے بدل واقع ہوئے ہیں، جن سے اس نبی موعود کا بنی اسماعیل سے ہونا معین ہو جاتا ہے۔'' (الخطبات الاحمدیہ، الخطبۃ العاشرۃ، ص ۳۶۹)۔

(۳) صاحب استفسار، جناب آل حسن، کے مطابق، لفظ ''تمہارے درمیان سے'' (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸) میں ''تیرے ہی درمیان سے'' ہے) الحاقی ہے، جو تحریف کے طور پر بڑھایا گیا ہے، جس کی تین دلیلیں ہیں۔

(الف) اس موقعے پر تمام بنی اسرائیل اللہ کے کلام کے مخاطب ہیں، نہ کہ کچھ لوگ، اس لیے ''تمہارے درمیان سے'' کا خطاب ساری قوم کو ہوگا۔ لہٰذا ''تمہارے بھائیوں میں سے'' کا لفظ قطعی

Marfat.com

لغو اور بے کار بن جاتا ہے۔ (٦) مگر چوں کہ یہ لفظ دوسرے مقامات پر بھی استعمال کیا گیا ہے، اس لیے اس کو صحیح ماننا پڑے گا۔ اس کے بجائے لفظ ''من بینک'' کو الحاقی تسلیم کرنا پڑے گا، جس کو تحریف کے طور پر بڑھایا گیا ہے۔

(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے دعوے کے ثبوت میں اللہ کے کلام کو نقل فرماتے ہیں، تو اس موقع پر یہ لفظ ذکر نہیں فرماتے (دیکھیے استثنا ١٨: ١٨) اور یہ امر قطعی غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول خدا کے قول کے خلاف ہو۔

(ج) حواریوں نے جب کبھی اس کلام کو نقل کیا ہے، اس میں کسی جگہ ''تمہارے درمیان سے'' (یا تیرے ہی درمیان سے) کے الفاظ نہیں پائے جاتے (دیکھیے کتاب اعمال ٣: ٢٢ اور ٧: ٣٧۔ نیز ملاحظہ فرمائیے ب س ق ت، ج ٣ ص ٢٤٥، ٢٤٦)۔

مولانا محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بھی مذکورہ دلائل کی بناء پر ان الفاظ کو الحاقی قرار دیا ہے۔ صاحب استفسار اور قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی طرح، مولوی چراغ علی نے بھی اپنے رسالہ ''بشارت مثل موسیٰ علیہ السلام'' میں اس کو الحاقی بتایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے یہ لفظ بڑھ گیا ہے۔ موصوف نے اپنے قول کے ثبوت میں کتاب اعمال کی محولہ بالا دو آیتوں (٣: ٢٢ اور ٧: ٣٧) کا حوالہ دیا ہے نیز یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ توریت کے قدیم اور معتبر یونانی ترجمے میں یہ فقرہ موجود نہیں ہے۔ (بہ حوالہ الخطبات الاحمدی، ص ٣٦٨)۔

اگر چہ اردو ترجمہ مطبوعہ ١٩٦٨ء میں موجود لفظ ''یعنی'' کی بناء پر ''تیرے ہی درمیان سے'' کو مبدل منہ اور ''تیرے ہی بھائیوں میں سے'' کو بدل ماننے کی گنجائش پائی جاتی ہے، تاہم مسطورہ بالا قوی دلائل کے پیش نظر فقرہ اول یعنی ''تیرے ہی درمیان سے'' کو ہی الحاقی قرار دینا زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ اس بحث سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی ''تیرے ہی بھائیوں سے'' بنی اسماعیل مراد ہیں نہ کہ بنی اسرائیل اور ''نبی'' سے مراد نبی آخر الزماںؐ ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

مسیحی علما کے بہ قول، انجیل یوحنا کی آیت (١: ٢١) میں جو لفظ ''وہ نبی'' مستعمل ہوا ہے اس سے وہی نبی مراد ہے، جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس آیت (١٨: ١٥) میں آیا ہے۔ اسی وجہ سے تمام حوالے دار بائبلوں میں اس لفظ پر کتاب استثنا کی اسی آیت کا حوالہ درج ہے۔ (دیکھیے ب س ق ت ج ٣ ص ١٩٢، حاشیہ)۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیر بحث آیت میں کسی خاص شخص سے خطاب نہیں

Marfat.com

ہے، بلکہ بنی اسرائیل کی پوری قوم مخاطب ہے۔ جہاں تک ضمیر واحد ''تیرے'' کے استعمال کا تعلق ہے، تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ پوری قوم کو جمع کے بجائے جنس واحد تصور کیا گیا ہے۔

☆ کتاب استثناء میں ایک اور بشارت ان الفاظ میں مذکور ہے:

''انہوں (بنی اسرائیل) نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں، مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا۔ سو میں بھی ان کے ذریعے سے جو کوئی امت نہیں ان کو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعے سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔''

بہ قول مولانا تقی عثمانی، مولانا کیرانویؒ نے جس عربی ترجمے (مطبوعہ ۱۸۶۰ء) سے یہ عبارت نقل کی ہے، اس میں ''نادان'' کے بجائے ''جاہل قوم'' کا لفظ ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۴۱، حاشیہ نمبر ۱)۔ مگر عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں ''امة غَبِيَّةً'' ہے اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں یہاں ''foolish nation'' ہے۔ اس کے برعکس، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ''قصص القرآن'' میں جو عبارت درج فرمائی ہے، اس میں ''ان پڑھ قوم'' مرقوم ہے (دیکھیے ق ق، ج ۴، ص ۲۲۹)۔ اس لفظ کے تعلق سے مولانا سیوہارویؒ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ ''کتاب مقدس کے قدیم نسخوں میں ''ان پڑھ'' کا لفظ تمام زبانوں میں موجود ہے۔ مگر بعد کے اڈیشنوں میں اس کی جگہ کہیں بے عقل اور کہیں اس کے مرادف الفاظ پائے جاتے ہیں۔ حاصل اگرچہ پھر بھی وہی رہتا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ''اُمّی'' اور آپ کی قوم کی ''امیین'' مذکور ہے، جس کا لفظی ترجمہ ''ان پڑھ'' ہوتا ہے، اس لیے محض اس لیے کہ پیشین گوئی کا یہ صاف تطابق باقی نہ رہے قدیم الفاظ کو بدل کر اس قسم کے الفاظ رکھے گئے۔'' (مصدر مذکور، ص ۲۲۸، حاشیہ نمبر ۱)۔

آپؐ کے ''اُمّی'' ہونے کے ثبوت میں درج ذیل آیات قرآنیہ پیش کی جاسکتی ہیں۔

(الف) وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (۲۹:۴۷)

''اے نبیؐ! آپؐ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔''

(ب) فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. (۷:۱۵۸)

''پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ایسے نبی اُمّی پر بھی، جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، نیز اس (نبی امی) کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔''

Marfat.com

اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی اس دعا کو بھی بہ طور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے جسے خیبر کے یہود نے قبیلہ غطفان کے مقابلے میں فتح ونصرت کیلئے مانگی تھی۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ بِحَق مُحَمَّد النَّبِیِّ الْاُمِّی الَّذِی وَعد تنا ان تخرجه فی آخر الزمان ان نصرتنا عَلَیْھِم۔

''خدایا! اس نبی اُمی کا واسطہ دے کر دعا مانگتے ہیں جس کے متعلق تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آخر الزماں ہوں گے تو ہم کو ان پر فتح ونصرت عطا فرما۔(۷)۔

اسی طرح آپ کی قوم یعنی بنی اسماعیل علیہ السلام اور اہل عرب کی ناخواندگی پر مندرجہ ذیل آیت شریفہ اور احادیث پاک دال ہیں۔

(الف) ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِه وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ. (۲:۶۲)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تذکیہ کرتا ہے، نیز ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔''

(ب) نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّیَّةٌ لَانَکْتُبُ وَنَحْسُبُ (آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہم ایک ناخواندہ قوم ہیں، ہم نہ تو لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب کرسکتے ہیں۔'' (صحیح البخاری، جلد اول، ص ۲۵۶)۔

(ج) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عمرو أَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ الَّتِی فِی الْقُرْآنِ یَا أَیُّھاالنَّبِیُّ اِنَّمَا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا قَالَ فِی التَّوْرَاۃِ یَا أَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّا أَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ.

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے نبی! میں نے آپ کو گواہ، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تورات میں یوں ہے کہ اے نبی میں نے آپ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ناخواندہ لوگوں کا ملجا وماویٰ بنا کر بھیجا۔'' (صحیح البخاری، جلد دوم، ص ۷۱۷)۔

کتاب استثنا کی زیر بحث آیت میں ''کوئی امت نہیں'' اور ''نادان یا جاہل قوم'' یا ''ان پڑھ قوم'' سے مراد بنی اسماعیل یعنی عرب ہیں، کیونکہ اس قوم میں انتشار اور دربدری کا دور دورہ اور مرکزیت کا فقدان تھا، اسی لیے اس کو ایک باقاعدہ امت (Nation) کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ پھر یہ قوم فن کتابت وقرأت ودیگر علوم وفنون سے بھی محروم تھی، جس کے باعث تمدنی ترقی سے قاصر اور پس ماندگی کا شکار تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کے افراد (بہ استثنائے چند) میں عقائد اور اخلاق کی برائیاں مثلاً کفر

Marfat.com

وشرک، شراب نوشی، قمار بازی، جنگ جوئی، قتل و غارت گری، دختر کشی بھی پائی جاتی تھیں۔ اگر چہ اہل عرب اوصاف و محاسن سے یکسر عاری نہیں تھے اور ان میں وفاداری، مہمان نوازی، جاں نثاری، فیاضی، شجاعت اور صاف گوئی جیسی خوبیاں موجود تھیں، تاہم ان پر فسادِ عقیدہ اور اخلاقی برائیوں کا غلبہ تھا۔ ان کی ساری برائیوں کی جڑ خدا فراموشی اور احکام خداوندی اور علوم شرعیہ سے بے گانگی اور عدم واقفیت میں مضمر تھی۔ دراصل اسی چیز نے ان کو جہالت کے اندھے اور گہرے کنویں میں دھکیل دیا تھا۔ جس کے باعث دور ماقبل اسلام کو دور جاہلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے، وہ عربوں کو ان کی پسماندگی اور علوم وفنون سے محرومی کے باعث اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اہل عرب کو اس وجہ سے بھی ذلیل وخوار تصور کرتے تھے کہ وہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی نسل سے تھے۔ مگر عزت وذلت تو خدائے تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہ جسے عزت دینا چاہے، اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا، اور وہ جسے اس کی بداعمالیوں کے سبب ذلیل کرنا چاہے، اسے کوئی محترم نہیں کرسکتا، چنانچہ جب یہودیوں کی سرکشی حد سے تجاوز کرگئی اور انہوں نے باطل معبودوں کی پرستش کے ذریعے خدا کو غیرت اور غصہ دلایا، تو اس نے انتقامی طور پر ان کو ایک ایسی قوم کے ہاتھوں بے عزت کرنے کا فیصلہ کیا جس کی ان کی غلط بیں نظروں میں کوئی وقعت نہ تھی۔ بنی اسرائیل کے لئے آخر اس سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی تھی کہ جس قوم کو وہ ذلیل وپست تصور کریں اسی کو سرفراز کرکے ان پر مسلط کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے سے طے شدہ فیصلے کا نفاذ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے توسط سے کیا۔ آپؐ کی بعثت اور تعلیمات شریفہ کے طفیل، لامرکزیت کے شکار، ناخواندہ، نادان اور جاہل عرب تو اوج ثریا سے ہم کنار ہوگئے، اور بعثت ونبوت کا انکار کرکے نیز آپؐ سے بغض وعناد مول لے کر ''زیرک'' یہود قعرِ مذلت میں جا پہنچے، جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مولانا کیرانویؒ کے نزدیک بھی نادان، ناخواندہ یا جاہل قوم سے مراد عرب ہی ہیں (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳ ص ۲۴۹) پولس کے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۰، آیت ۱۲ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ جاہل قوم سے یونانی مراد ہیں مگر یہ قطعاً ناقابل قبول ہے اس لیے کہ بہ قول مولانا کیرانویؒ یونانی لوگ مسیح علیہ السلام کے ظہور سے تین سو سال قبل ہی علوم وفنون میں دنیا کی تمام قوموں سے فائق ہوچکے تھے اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ توریت کے احکام، اس کے قصوں اور عہد نامہ عتیق کی جملہ کتابوں سے بھی ہفتادی ترجمے کے ذریعے کامل طور پر واقفیت رکھتے تھے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہ مذہب موسوی سے گریزاں، اشیا کی حکمت کی تلاش وجستجو میں سرگرداں رہتے تھے۔ (دیکھیے ماخذ مذکور، ص ۲۴۹، ۲۵۰،

Marfat.com

نیز کرنتھیوں کے نام کا پہلا عام خط ۱:۲۲)

خلاصہ بحث یہ کہ کتاب استثنا کی محولہ بالا آیت میں موجود پیشین گوئی کا تعلق بنی اسماعیل اور اہل عرب سے ہے اور یونانیوں سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

☆ اب کتاب استثنا کی ایک انتہائی اہم بشارت ملاحظہ فرمایئے، جو حسب ذیل ہے۔

اپنی وفات سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور ہزاروں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔'' (باب ۳۳، ۲ بہ مطابق ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء، بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۵۱)۔

اس بشارت میں تین مقامات، سینا، شعیر اور کوہ فاران، کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ سینا کا دوسرا نام طور ہے جو وادی سینا میں واقع ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا اور یہی وہ مقام مبارک ہے جہاں آپ علیہ السلام کو توریت عطا ہوئی تھی۔ آیت بالا میں اسی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

شعیر (سعیر، ساعیر یا سراۃ) بھی ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس کا سلسلہ شام سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پہاڑ کو آج کل جبل الخلیل کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ''بیت اللحم'' اسی پہاڑ پر واقع ہے۔ آں جناب علیہ السلام اسی پہاڑ پر نبوت اور انجیل سے سرفراز ہوئے تھے اور عبادت و ریاضت بھی آپ علیہ السلام یہیں کیا کرتے تھے۔ ساعیر (شعیر) نامی ایک بستی یہاں آج بھی موجود ہے، جو مقام مذکور کی قدامت و صداقت پر شاہد عدل ہے۔ (دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۳۱ اور ب س ق ت، ج ۳، ۲۵۱ حاشیہ ۳)۔

جہاں تک فاران (Paran) کا تعلق ہے، سرزمین عرب کا وہ حصہ جو حجاز کے نام سے مشہور ہے اور جس کے دامن میں مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف واقع ہیں، فاران کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گرد مکہ کے پہاڑ کا نام فاران ہے۔ چوں کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وبعثت مکہ معظمہ ہی میں ہونا طے تھی، جو آغوش فاران میں واقع ہے، اس وجہ سے فرمایا گیا کہ ''وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔'' غرض کہ جس فاران کی طرف توریت کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ اور حجاز دونوں ایک ہی ہیں اور اسی مقام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مسکن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کی تائید توریت کی آیت ذیل سے بھی ہوتی ہے۔

Marfat.com

''اور وہ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں (حضرت ہاجرہ علیہا السلام) نے ملکِ مصر سے اس کے لئے بیوی لی'' (پیدائش ۲۱:۲۱)

لطف کی بات یہ ہے کہ توریت سامری کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۵۱ء میں فاران کے بعد قوسین میں حجاز قوم ہے، جو اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ مترجم کے نزدیک، فاران سے حجاز ہی مراد ہے، نہ کہ مقام دیگر۔ مذکورہ عربی ترجمے کی اصل عبارت یہ ہے۔

وسکن برية فران (الحجاز) واخذت له امه امرة (كذا) من ارض مصر (تكوين ۲۱:۲۱ بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۷۶۔ یہی آیت الخطبات الاحمدیہ کے صفحہ ۵۷ پر اس طرح منقول ہے۔ وسکن فی برية فران (الحجاز) واخذت له امه امراة من ارض مصر اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

توریت کے علاوہ قرآن حمید میں منقول دعائے ابراہیمی کے الفاظ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے پاس وادی غیر ذی زرع (نا قابل زراعت وادی یا میدان) میں سکونت فرمائی تھی، اور سطور بالا میں اس بات کی صراحت ہو چکی ہے کہ علاقہ مذکور وادی فاران ہی میں واقع ہے۔ دعائے ابراہیمی کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم۔ (۱۴:۳۷)

''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو آپ کے معظّل گھر کے قرب وجوار میں واقع ایک ناقابلِ زراعت وادی اور میدان میں آباد کیا۔''

توریت اور قرآن کریم کی طرح جغرافیائی تحقیقات اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کے باقی ماندہ کھنڈرات سے بھی یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آں جناب علیہ السلام اور ان کی مقدم اولاد کا مسکن حقیقی فاران یعنی حجاز ہی تھا۔ بعد میں اس مقام کو نبی آخر الزماں کے مولد و مسکن ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ بہ قول سر سید، فاران غالباً فاران بن عوف بن حمیر کے نام سے موسوم ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی ۴۵۳ برس پہلے موجود تھا۔ بعد کو جب یہاں خانہ کعبہ وجود میں آ گیا تو یہی فاران کے بجائے مکہ یا کعبہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۲)۔

ان تمام شواہد کے باوجود علمائے یہود و نصاریٰ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ فاران یا وادی فاران اور حجاز یا وادی حجاز جس کی آغوش میں مکہ معظمہ اور کعبہ شریف واقع ہیں، ایک ہیں۔ یہ حضرات اس سلسلے میں طرح طرح کی نا قابل قبول تاویلیں پیش کرتے ہیں اور اس کے محل وقوع کی نسبت

Marfat.com

مندرجہ ذیل چار اقوال اور نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہیں۔

(فاران بیت المقدس کا نام ہے۔(دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، صفحہ ۲۵۲ حاشیہ)۔

(۲) اس وسیع میدان کو فاران کہا جاتا ہے جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے اور جس کے شمال میں کنعان جنوب میں کوہ سینا مغرب میں مصر اور مشرق میں کوہ سعیر واقع ہے۔ اور اس میں شور، سین، زین، عیدوم وغیرہ کے نام سے چھوٹی چھوٹی وادیاں بھی شامل ہیں۔(الخطبات الاحمدیہ، ص ۷۵، ۷۶، ۳۷۶)۔

(۳) قادیش جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیر شبع کے نام سے ایک کنواں کھدوایا تھا اور فاران دونوں ایک ہیں۔(ایضاً ص ۷۶، ۳۷۶)۔

(۴) فاران اس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے اور جہاں بہت سی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں، پرانی قبریں اور مینار یں وغیرہ اب تک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں، مسٹر روپر کے بہ قول وہاں پانچویں صدی عیسوی کے بنے ہوئے ایک کلیسا کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔(ایضاً، ص ۷۶، ۳۷۶)۔

لیکن سر سید احمد خان اور مولانا تقی عثمانی صاحب نے ان آرا اور بیانات کی تردید وتغلیط کی ہے اور اس سلسلے میں ان حضرات نے جو دلائل وشواہد پیش کیے ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کے نزدیک، پہلا قول غلط اور بے بنیاد محض ہے، کیونکہ آج تک مشرق ومغرب کے کسی جغرافیہ داں نے فاران کو بیت المقدس کا دوسرا نام قرار نہیں دیا۔ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ اگر تورات کی پیشین گوئی میں فاران سے مراد بیت المقدس ہو، تو اس سے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہوگا، حالانکہ ''شعیر سے آشکارا'' ہونے کا مطلب بھی حضرت عیسیٰ ہی کی بشارت ہے۔ اس صورت میں یہ بلا وجہ تکرار ہوگا۔ مزید یہ کہ فاران کے لغوی معنیٰ ''صحرا'' ہیں نیز کتاب پیدائش (۲۱: ۲۰) اور کتاب گنتی (۱۰: ۱۲) میں بھی اس کو دشت اور بیابان ہی قرار دیا گیا ہے، تو پھر بیت المقدس جیسے سرسبز وشاداب خطے پر اس کا اطلاق کیوں کر ہو سکتا ہے؟ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۵۲، حاشیہ)۔

دوسرے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاران ایک انتہائی وسیع صحرا ہے، جو شور، زین، صحرا پر مشتمل ہے۔ اگر اس کو درست تسلیم کیا جائے تو بہ قول مولانا عثمانی یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ ''فاران سے جلوہ گر'' ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول مراد ہے، حالانکہ یہ بات اس سے پہلے ''خداوند سینا سے آیا'' والے جملے میں کہی جا چکی ہے۔ لہذا اب ایک مبہم جملے میں اس کا

Marfat.com

اعادہ بے معنی ہو جاتا ہے، بالخصوص جب دونوں جملوں کے درمیان ''شعیر سے ان پر آشکار ہوا'' کا جملہ بھی حائل ہے۔ اس وجہ سے فاران کو ایک مستقل اور جداگانہ وادی ماننا ہی انسب واصح ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۵۲، ۲۵۳ حاشیہ)۔

سرسید احمد خاں نے بھی اس قول کی تردید کی ہے اور توریت کی مختلف آیتوں کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ فاران ایک علیحدہ وادی اور صحرا ہے، جس کا اوپر بیان کردہ دیگر وادیوں اور صحراؤں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس ضمن میں سرسید نے جن آیتوں کو بہ طور حوالہ نقل کیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ''بنی اسرائیل دشت سینا سے کوچ کر کے نکلے اور ابر دشت فاران میں ٹھہر گیا'' (گنتی ۱۰:۱۲)۔

بہ قول سرسید، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دشت سینا الگ ہے، اور دشت فاران الگ (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۷۷، ۳۷۷) سرسید نے خطبہ اول میں فارسی عبادت نقل کی ہے جو ظاہر ہے توریت کے فارسی ترجمے سے ماخوذ ہے اور خطبہ دہم میں اردو عبارت درج کی ہے جو قدیم اردو ترجمے سے اخذ کی گئی ہے۔ مگر ہم نے یہاں جو عبارت نقل کی ہے وہ بائبل کے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء سے لی گئی ہے۔ ذیل کی آیتوں کا تعلق بھی اسی ترجمے سے ہے۔

(۲) (کدرلاعمر اور اس کے ساتھ کے بادشاہ)...... ''حواریوں کو ان کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک، جو بیابان سے لگا ہوا ہے آئے'' (پیدائش ۱۴ :۶)

سرسید فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سعیر جدا ہے اور وادی فاران جدا۔ (دیکھیے خ ۱، ص ۳۷۷)۔

(۳) ''اس کے بعد وہ لوگ (بنی اسرائیل) حصیرات سے روانہ ہوئے اور دشت فاران میں پہنچ کر انہوں نے ڈیرے ڈالے'' (گنتی: ۱۲:۱۶) پھر دشت فاران سے ملک کنعان کا حال دریافت کرنے کی غرض سے سرداران قوم روانہ کیے (دیکھیے گنتی ۱۳: ۲، ۳)

سرسید لکھتے ہیں کہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ فاران ایک علیحدہ وادی ہے۔ (دیکھیے خ ۱، ص ۳۷۷)۔

(۴) ''اور چالیس دن کے بعد وہ (سرداران قوم) اس ملک کا حال دریافت کر کے لوٹے۔ اور وہ چلے اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت

Marfat.com

فاران کے قادس میں آئے اور ان کو اور ساری جماعت کو سب کیفیت سنائی۔" (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء گنتی ۱۳: ۲۵، ۲۶)۔

اس کے برعکس، الخطبات الاحمدیہ میں جو عبارت درج ہے وہ اس طرح ہے "وہ سردار کنعان کو دیکھ کر پھرے تو بیابان فاران میں قادیش میں پہنچے۔" (دیکھیے ص ۳۷۷)۔

۱۹۶۸ء کے ترجمے میں "دشت فاران کے قادس میں آئے" تحریر ہے جب کہ الخطبات الاحمدیہ کی مندرجہ عبارت میں "بیابان فاران میں سے قادیش میں پہنچے" منقول ہے۔ الخطبات الاحمدیہ ہی کے صفحہ ۷۷ پر جو فارسی عبارت درج ہے، اس میں در بیابان پاران (فاران) بہ قادیش "رسیدند" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد کے ترجموں میں تحریف و تصرف سے کام لیا گیا ہے۔ سرسید نے بھی اس باب میں شک و شبہے کا اظہار کیا ہے اور الخطبات الاحمدیہ کے صفحہ ۷۸ پر اصل عبرانی عبارت اور اس کا ترجمہ جو ۱۶۷۱ء میں شائع شدہ ایک قدیم عربی ترجمے سے ماخوذ ہے کو نقل کر کے ان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ عبرانی زبان سے عدم واقفیت کی بناء پر عبری عبارت کی قرأت ممکن نہ ہو سکی۔ لیکن جہاں تک عربی عبارت کا تعلق ہے، وہ درج ذیل الفاظ پر مشتمل ہے۔

وقدموا الی موسیٰ وهارون وجماعة بنی اسرائیل الیٰ برية فاران الی قادس.

ان مذکورہ عبرانی اور عربی عبارات پر غور و خوض کرنے کے بعد سرسید جس نتیجے پر پہنچے ہیں، اس کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"اصل عبری (عبرانی) عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں "ال مدبر فاران قادیش۔" عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا ہے وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اس لیے فاران اور قادیش بدل اور مبدل منہ نہیں ہو سکتے اور ضرور ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لفظ مقدر مانا جاوے۔ فارسی مترجم نے حرف ب کو مقدر مانا ہے اور "بہ قادیش" ترجمہ کیا ہے اور عربی مترجم نے "الیٰ" مقدر مانا ہے اور "الیٰ قادیش" ترجمہ کیا ہے۔ اور لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "جو کہ بیچ قادیش کے"، مگر عربی قدیم ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ فاران کے مقابل بھی "ال" یعنی "الیٰ" کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف کر دیا ہے۔ پس اس ترجمے کے مطابق معنی یہ ہوتے ہیں کہ "آئے بیابان فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستے سے۔ (خ ا، ص ۷۸، ۷۹)۔

لیکن اس صورت میں مفہوم ہذا اور صفحہ ۳۷۷ پر مندرجہ اردو ترجمے کے مابین کوئی تطابق باقی نہیں رہ جاتا، بلکہ دونوں میں تضاد کا عنصر کارفرما نظر آتا ہے۔

Marfat.com

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں یہ عبارت اس طرح ہے۔

فسار واحتی اتولا الی موسیٰ وهارون وكل جماعة بنی اسرائیل الی برية فاران الی قادش

اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اس عبارت کا ترجمہ یوں منقول ہے۔

And thy went and came to Moses, and to Aaron, and to all the congregation of the children of Israel, unto the wilderness of Paran, to Kadesh (Numbers 13:26)

تضاد بیانی سے قطع نظر، مندرجہ بالا عبارات سے یہ بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ بیابان فاران اور قادیش (قادس) جہاں ابراہیم علیہ السلام نے کنواں بنوایا تھا، دو مختلف مقامات ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں مقامات باہم پیوستہ ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ قادیش فاران کے شمالی سرحد پر واقع ہے۔ (دیکھیے خ ا،ص ۳۷۷)۔

(۵) ''اور وہ مدیان سے نکل کر فاران میں آئے اور فاران سے لوگ ساتھ لے کر شاہ مصر فرعون کے پاس مصر میں گئے۔ (کتاب اول سلاطین ۱۱:۱۸)۔

اس ذیل میں سرسید بہ طور وضاحت تحریر فرماتے ہیں کہ ''مدیان وہ شہر ہے، جس کو عرب میں مدین کہتے ہیں اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب سے تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہ شہر عین وادی فاران میں واقع تھا، جو حجاز ہے۔ اس سے دو مطلب ایک حجاز اور وادی فاران کا متحد ہونا اور دوسرے وادی فاران کا ایک مستقل جدا وادی ہونا ثابت ہوتے ہیں۔ (خ ا،ص ۳۷۷)

تیسرے قول کے مطابق فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں۔ لیکن سرسید کے نزدیک، یہ بات قطعاً قابل قبول نہیں، بلکہ لائق تردید ہے۔ موصوف کے بہ قول، یہ دونوں مقامات الگ الگ ہیں اور ان میں اتحاد و پیوستگی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں انہوں نے توریت کی درج ذیل آیتوں کو بہ طور سند پیش کیا ہے۔

(۱) ''(کدرلاعمر اور اس کے ساتھ کے بادشاہ) حوریوں کو ان کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ہوا ہے آئے۔ پھر وہ لوٹ کر عین مصفات یعنی قادس پہنچے (ترجمہ ۱۹۶۸ء پیدائش ۱۴:۶،۷)

(۲) ''وہ سردار جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہنچے۔''

Marfat.com

(گنتی ۱۳: ۲۶ بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، صفحہ ۳۷۸)۔

ان دونوں عبارتوں کا حوالہ اوپر بھی گزر چکا ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش (قادس) ایک نہیں، بل کہ دو جدا جدا مقام اور وادیاں ہیں۔

چوتھے قول کے تحت جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ فاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وادی مذکور میں اس نام کا ایک مقام موجود ہے، مگر یہ وہ نہیں ہے جس کا ذکر توریت میں آیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشرقی جغرافیہ دانوں نے اپنی تحریرات وتصنیفات میں فاران کے نام سے موسوم تین مختلف مقامات کا ذکر کیا ہے۔ ایک فاران کو تو نواح سمرقند میں واقع بتایا گیا ہے۔ دوسرے فاران کی نشان دہی کوہ سینا کے پاس کے علاقے میں کی گئی ہے اور یہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ تیسرے فاران کا محل وقوع کوہستان حجاز یعنی مکہ معظّمہ کو قرار دیا ہے (دیکھیے معجم البلدان از یاقوت الحموی، ج ۴، بیروت، ۱۳۷۶ء، ص ۲۲۵، بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۵۴، حاشیہ والخطبات الاحمدیہ، ص ۴۷، ۵۷)۔

اول الذکر فاران یعنی نواح سمرقند میں واقع فاران سے یہاں کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سکونت پذیر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ آج تک کسی مورخ یا جغرافیہ داں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔

جہاں تک ثانی الذکر فاران کا تعلق ہے یہ ک… ر واقع ہے، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ توریت میں جس فاران … کا تحقیق کے مطابق (دیکھیے خ ا، ص ۸۳، ۳۸۱) یہ ح… تھا۔ یہ ان کے کافی بعد میں آباد ہوا… ہے کہ کسی زمانے میں یہاں فارا… ہوگی اور اس طرح یہ مقام ان … ہے ہاتھ

سرسید نے الخطبات … کے واقعات کو توریت … تھولک بائبل کے مطابق ہے ہے کہ دوران سفر ح… رجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں اس کے بجائے واقع فاران کا ک… گریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں دس ہزار قدسیوں تھا۔ سرسید ک… کی اصل عبارت اس طرح ہے۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور انہوں نے بحر احمر (Red Sea) کی غربی شاخ کی نوک کو پار کیا، جس کے پانی کو بہ سبب سمندر کے جذر کے (بلکہ بطور معجزہ) خدا نے ہٹا دیا تھا، شور کے جنگل میں پہنچے اور جب سن (سین کے) جنگل کو طے کیا اور افیدیم (رفیدیم) میں مقام ہوا، تو وہاں عمالیق آئے اور موسیٰ علیہ السلام سے لڑے (دیکھیے خروج ۱۷: ۱ تا ۸) اب یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مشرق کی طرف یعنی کوہ سینا کی طرف چلے اور بیابان کوہ سینا میں پہنچ کر ڈیرے ڈالے اور اسی مقام پر ان کے خسر، یثرو (Jethro)، ان سے ملنے کو آئے (دیکھیے خروج ۱۸: ۵ اور ۱۹: ۲)۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یثرو کاہن (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر، کوہ سینا کے مشرق کی جانب سے آئے تھے؛ کیونکہ مدیان (مدین) جہاں کے وہ کاہن تھے، اس کے مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ (مگر) اس تمام سفر میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے سینا تک کیا، وہ مقام فاران جس کا غربی کوہ سینا میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے، گزر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا...... پس بہ آسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ شہر فاران...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں موجود نہ تھا......"

"اب بنی اسرائیل کوہ سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں پہلی منزل اس مقام پر کی تھی جس کا نام تبعیراہ (Taberah) تھا اور (دیکھیے گنتی ۱۱: ۳) پھر وہاں سے قبروث ہتاوہ (Kibroth-hattaavah) کو روانہ ہوئے اور وہاں سے حصیروث (Hazeroth) کو کوچ کیا (دیکھیے گنتی ۱۱: ۳۴، ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران (فاران) میں داخل ہوئے (اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے) (دیکھیے گنتی ۱۲: ۶)۔ اسی بات کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا "بنی اسرائیل بیابان (سینا) سے نکلے اور بادل (ابر) بیابان فاران میں ٹھہر گیا۔" (دیکھیے گنتی ۱۰: ۱۲)۔

"اس لیے کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوچ شمالی اور مشرقی سمت میں تھا یعنی قادیش کی طرف (دیکھیے گنتی ۱۳: ۲۶) اور اس لیے وہ فاران جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے سینا کے مغرب کی جانب نہیں، بلکہ اس کے شمال مشرق میں واقع تھا۔" (الخطبات الاحمدیہ، ص ۸۲، ۸۳، ۱۸۱، ۳۸۲)۔

جس فاران کو کوہ سینا کے شمال مشرق میں واقع بتایا گیا ہے یہ وہ فاران ہے جس سے حجاز یا مکہ مکرمہ کے پہاڑ مراد ہیں اور اس حقیقت کو جملہ مشرقی مؤرخین اور جغرافیہ داں بالاتفاق تسلیم کرتے

Marfat.com

ہیں۔ گمان غالب ہے کہ پہلے تو حجاز کی زمین اور اس کے کوہستانی علاقے فاران بن عوف کے نام سے موسوم ہوئے لیکن بعد کو کعبہ شریف کی وجہ سے فاران کے بجائے مکہ یا کعبہ کا نام مشہور ہو گیا۔ فاران ہذا، جیسا کہ پہلے بھی آ چکا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی ۴۵۳ برس پہلے موجود تھا۔ لہٰذا اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں جس فاران کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی فاران مراد ہے (دیکھیے توریت سامری کا عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۵۳ء بہ حوالہ خ ا، ص ۷۵) اور اسی کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن ہونے کا اعزاز حاصل ہے (دیکھیے پیدائش ۲۱: ۱۲ اور کتاب باروخ ۲۳: ۳) بہ حوالہ ب س ق ت، ج، ص ۳۵۴، حاشیہ) تاریخ شاہد ہے کہ یہیں سے اس ابدی اور ناقابل تنسیخ شریعت کا ظہور قرآن کریم کی شکل میں ہوا جس کے ظاہر ہونے کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں دی گئی اور یہیں سے خدا کے چمکنے کی پیشین گوئی، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی صورت میں پوری ہوئی۔

کتاب استثنا کی زیر بحث بشارت (۳۳: ۲) میں ''خدا کے سینا سے آنے'' پھر ''شیر سے آشکار ہونے'' اور آخر میں ''فاران سے جلوہ گر ہونے'' کا جو ذکر آیا ہے، اس سے بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں احمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک ہستیاں مراد ہیں۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیات اور بشارت میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے اور اس طرح اس کی صداقت مبرہن ہو جاتی ہے۔

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین. (۹۰: ۱ تا ۳)

''گواہ ہے مقام تین وزیتون (یعنی ملک شام میں واقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ''بیت اللحم'') اور گواہ ہے طور سینا (یعنی قیام گاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور گواہ ہے، یہ بلدِ امین (یعنی مکہ جسے خاتم الانبیاء کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے)۔''

اس بشارت میں یہ بھی منقول ہے کہ ''(وہ) ہزاروں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔'' (بہ مطابق عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء)۔

بہ قول مولانا تقی عثمانی، اظہار الحق میں لفظ ہزاروں ہی ہے، جو کیتھولک بائبل کے مطابق ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۵۱، حاشیہ ۱) لیکن اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں اس کے بجائے ''لاکھوں قدسیوں میں سے آیا'' مرقوم ہے۔ اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا'' تحریر ہے۔ انگریزی ترجمے کی اصل عبارت اس طرح ہے۔

Marfat.com

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں یہ عبارت اس طرح ہے۔

فسار واحتى اتولا الى موسىٰ وهارون وكل جماعة بنى اسرائيل الى برية فاران الى قادش

اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اس عبارت کا ترجمہ یوں منقول ہے۔

And thy went and came to Moses, and to Aaron, and to all the congregation of the children of Israel, unto the wilderness of Paran, to Kadesh (Numbers 13:26)

تضاد بیانی سے قطع نظر، مندرجہ بالا عبارات سے یہ بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ بیابان فاران اور قادیش (قادس) جہاں ابراہیم علیہ السلام نے کنواں بنوایا تھا، دو مختلف مقامات ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں مقامات باہم پیوستہ ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ قادیش فاران کے شمالی سرحد پر واقع ہے۔ (دیکھیے خ ۱، ص ۳۷۷)۔

(۵) ''اور وہ مدیان سے نکل کر فاران میں آئے اور فاران سے لوگ ساتھ لے کر شاہ مصر فرعون کے پاس مصر میں گئے۔ (کتاب اول سلاطین ۱۱: ۱۸)۔

اس ذیل میں سرسید بہ طور وضاحت تحریر فرماتے ہیں کہ ''مدیان وہ شہر ہے، جس کو عرب میں مدین کہتے ہیں اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب سے تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہ شہر عین وادی فاران میں واقع تھا، جو حجاز ہے۔ اس سے دو مطلب ایک حجاز اور وادی فاران کا متحد ہونا اور دوسرے وادی فاران کا ایک مستقل جدا وادی ہونا ثابت ہوتے ہیں۔ (خ ۱، ص ۳۷۷)

تیسرے قول کے مطابق فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں۔ لیکن سرسید کے نزدیک، یہ بات قطعاً قابل قبول نہیں، بلکہ لائق تردید ہے۔ موصوف کے بہ قول، یہ دونوں مقامات الگ الگ ہیں اور ان میں اتحاد و پیوستگی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں انہوں نے توریت کی درج ذیل آیتوں کو بہ طور سند پیش کیا ہے۔

(۱) ''(کدرالاعمر اور اس کے ساتھ کے بادشاہ) حوریوں کو ان کے کوہ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ہوا ہے آئے۔ پھر وہ لوٹ کر عین مصفات یعنی قادس پہنچے (ترجمہ ۱۹۶۸ء پیدائش ۱۴: ۶، ۷)

(۲) ''وہ سردار جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہنچے۔''

Marfat.com

(گنتی ۱۳: ۲۶ بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، صفحہ ۳۷۸)۔

ان دونوں عبارتوں کا حوالہ اوپر بھی گزر چکا ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش (قادس) ایک نہیں، بل کہ دو جدا جدا مقام اور وادیاں ہیں۔

چوتھے قول کے تحت جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ فاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وادی مذکور میں اس نام کا ایک مقام موجود ہے، مگر یہ وہ نہیں ہے جس کا ذکر توریت میں آیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشرقی جغرافیہ دانوں نے اپنی تحریرات وتصنیفات میں فاران کے نام سے موسوم تین مختلف مقامات کا ذکر کیا ہے۔ ایک فاران کو تو نواح سمرقند میں واقع بتایا گیا ہے۔ دوسرے فاران کی نشان دہی کوہ سینا کے پاس کے علاقے میں کی گئی ہے اور یہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ تیسرے فاران کا محل وقوع کوہستان حجاز یعنی مکہ معظمہ کو قرار دیا ہے (دیکھیے معجم البلدان از یاقوت الحموی، ج ۴، بیروت، ۱۳۷۶ء، ص ۲۲۵، بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۵۴، حاشیہ والخطبات الاحمدیہ، ص ۴۷، ۵۷)۔

اول الذکر فاران یعنی نواح سمرقند میں واقع فاران سے یہاں کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سکونت پذیر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ آج تک کسی مورخ یا جغرافیہ داں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔

جہاں تک ثانی الذکر فاران کا تعلق ہے یہ کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ضرور واقع ہے، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ توریت میں جس فاران کا ذکر ہے یہ وہ نہیں ہے، اس لیے کہ سرسید کی تحقیق کے مطابق (دیکھیے خ ۱، ص ۸۳، ۳۸۱) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ ان کے کافی بعد میں آباد ہوا اور اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں یہ خیال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں فاران بن عوف حمیر کی اولاد جو بنی فاران کے نام سے جانی جاتی ہے، جا بسی ہوگی اور اس طرح یہ مقام ان کے جد اعلیٰ کے نام سے مشہور ہو گیا ہوگا۔ (دیکھیے خ ۱ ص ۸۴، ۳۸۲)۔

سرسید نے الخطبات الاحمدیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خروج (Exodus) کے واقعات کو توریت کے حوالے سے کسی قدر تسلسل کے ساتھ بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دوران سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام بیابان کوہ سینا سے گزر گئے، مگر آپ نے اس کی غربی وادی میں واقع فاران کا ذکر تک نہیں کیا، جس سے یہ بہ خوبی واضح ہے کہ مقام مذکور اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ سرسید کی فراہم کردہ واقعات خروج کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

Marfat.com

"....and he came with ten thousands of sainats"

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے قصص القرآن (جلد چہارم، ص ۲۳۱)، مولانا مناظر احسن گیلانی نے النبی الخاتم (ص ۲۲) اور سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی (ج ۳، ص ۸۱۴) میں کسی اشاعت کے حوالے کے بغیر جو اردو عبارت نقل کی ہے، اس میں عدد کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے اور قدسیوں کے بجائے ''لشکر ملائکہ کے ساتھ آیا'' منقول ہے۔

جہاں تک عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء (کیمبرج) کا تعلق ہے، اس میں ''من ربوات القدس'' ہے یعنی ''دس ہزار قدسیوں میں سے آیا'' ترجمہ مذکورہ کا اصل متن یوں ہے۔

''وأتی من ربوات القدس وعن یمینه نار شریعة لهم''

اس میں لفظ ''ربوات'' آیا ہے جو ''ربوۃ'' کی جمع ہے۔ اس کے معنی بڑی جماعت میں دس ہزار کے ہیں (۸) (دیکھیے مصباح اللغات از عبدالحفیظ بلیاوی، دہلی، ۱۹۷۲ء، ص ۲۷۷)

سرسید احمد خاں مرحوم اور حضرت مولانا منصور پوریؒ کی نقل کردہ عبارتوں میں عدد کی صراحت کے بغیر لشکر ملائکہ کے ساتھ آنے کی بات کہی گئی ہے۔ لیکن بائبل کے عربی تراجم مطبوعہ ۱۸۴۴ء، ۱۹۵۲ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں بالترتیب ''ہزاروں، دس ہزار اور لاکھوں قدسیوں میں سے آنے'' کا ذکر ہے اس کے برعکس انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں جیسا کہ اوپر منقول ہوا، ''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا'' تحریر ہے اور یہی فقرہ زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں فتح مکہ (۶۳۰ء) کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے جس میں رسول اکرمؐ اپنے دس ہزار فرشتہ صفت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ مکے میں اس حال میں داخل ہوئے تھے کہ آتشیں شریعت یعنی جہاد بالسیف کا حکم خداوندی آپؐ کے دست مبارک میں تھی۔ چونکہ یہ حکم قرآن کریم میں وارد ہوا ہے، اس لیے اس سے قرآن ہی مراد ہے۔ غالباً اس تاریخی حقیقت پر پردہ ڈالنے ہی کی غرض سے بائبل کے عربی تراجم مطبوعہ ۱۸۴۴ء، ۱۹۵۲ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ چونکہ یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو صریح بشارات پر مبنی ہیں، لہذا اس میں کمال تحریف کا خوب خوب مظاہرہ کیا گیا ہے۔ محمد تقی عثمانی صاحب نے اس حرکت نازیبا کو یوں الم نشرح کیا ہے۔

''توریت کی یہ بشارت کیوں کہ خاصی صریح تھی، اس لیے اس کی عبارت میں تحریف و ترمیم کی بھی خاصی مشق کی گئی ہے۔ پہلے تو ''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا'' والے جملے میں ترمیم کی گئی ہے۔ قدیم اردو ترجموں میں یہ جملہ اسی طرح مذکور ہے (دیکھیے تفسیر حقانی ختم سورۃ شعراء آیت ''وانه لفی

Marfat.com

زبر الاولین" اور سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۱۴) انگریزی ترجمہ (کنگ جیمز ورشن) مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں بھی یہی الفاظ ہیں لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ لکھ دیا ہے "اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" (اس کا ذکر اوپر آچکا ہے) یہاں سے دس ہزار کا لفظ اڑا دیا گیا ہے، غالباً اس لیے کہ اس سے فتح مکہ کے وقت صحابہؓ کی تعداد ظاہر ہوتی تھی۔ اور کیتھولک بائبل (ناکس ورشن) میں دس ہزار اور لاکھوں کے بجائے ہزاروں کا لفظ دیا گیا ہے" (بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۵۷، حاشیہ)۔

خدا کا شکر ہے کہ غزل الغزلات (۵:۱۰) میں وارد شدہ دس ہزار کا عدد محرفین کے دست برد سے محفوظ رہ گیا، جوان بدطینتوں کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس بشارت کے باقی ماندہ الفاظ یہ ہیں۔

"ہاں، وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے ساتھ بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے۔" (استثنا ۳۳:۳، بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۱۴)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری بشارت میں کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے والی ہستی گرامی کے ساتھ چار باتیں منسوب کی گئیں ہیں جو قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان شدہ اوصاف کے عین مطابق ہے۔

(ا) "(وہ) دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔"

قرآن مجید میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معه (۲۹:۴۷)

ترجمہ: محمدؐ پیغمبر خدا، اور جوان کے ساتھ ہیں......"

فتح مکہ کے وقت جب حضور پرنور مکہ میں داخل ہوئے تو، جیسا کہ عرض کیا گیا، آپؐ کے صحابہؓ کی تعداد دس ہزار تھی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی پیشین گوئی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے اس فقرے کے ترجمے میں تحریف سے کام لیا جاتا رہا ہے اور خوب خوب قلابازیاں دکھائی جاتی رہی ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور بات قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ مفسرین ومترجمین قرآن نے "محمد رسول اللہ" کا ترجمہ عموماً مبتدا اور خبر (Predicate) کے طور پر کیا ہے، مگر یہ محل نظر ہے۔ "رسول اللہ" کو خبر کے بجائے صفت اور عطف بیان کے حکم میں رکھنا اور آگے کی عبارت "اسداء علی الکفار

Marfat.com

ورحماء بینھم ''کو خبر کو تسلیم کرنا زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مومنین کے پورے گروہ کے ارکان جن میں رسول اللہ علیہ وسلم کو گل سرسبد اور سرتاج کی حیثیت حاصل ہے، کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ اگر'' رسول اللہ ''پر وقف اور'' والذین معہ'' سے استیناف مان لیا جائے، تو آیت کی بلاغت ختم ہوجائے گی اور کتاب استثناء کی زیر بحث بشارت سے بھی اس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ (دیکھیے تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی، ج ۷، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۴۷۰)

(۲) اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت تھی (یعنی ہوگی)۔

یہاں حتمیت اور قطعیت کے پیش نظر مستقبل کے بجائے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد زمانہ مستقلب ہی ہے اوپر کی عبارت کے سلسلے میں بھی یہی بات صادق آتی ہے قرآن کریم میں یہ بات یوں ادا ہوئی ہے'' اشداء علی الکفار ''(ایضاً) ترجمہ: (وہ اور) ان کے ساتھی منکرین خدا پر سخت ہیں۔

لفظ'' اشداء'' شدید کی جمع ہے شدید دراصل لفظ عزیز (جمع اعزۃ) کے ہم معنی ہے، جس کے معنی ہیں سخت مشکل، بھاری، ناقابل شکست، ناقابل عبور، عسیر الانقیاد (دیکھیے تدبر قرآن، ج ۷، ص ۴۷۱)۔

لہذا بہ قول مولانا مودودیؒ، اس کا مطلب یہ ہے کہ'' وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ دیں۔ وہ نرم چارہ نہیں ہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چپا جائیں۔ انہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جاسکتا۔ انہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا'' (تفہیم القران، ج ۵، دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۶۳، حاشیہ ۵۲)۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضرور معلوم ہوتی ہے، اور یہ کہ کفار پر سخت ہونے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مومنین، منکرین خدا کے ساتھ سختی اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں یا اسلام مسلمانوں کو روز مرہ کی زندگی میں غیر مسلموں کے ساتھ درشت، بیزارانہ اور غیر ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے کہ اس کی تائید نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت سے ہوتی ہے اور نہ رحمۃ اللعالمین اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے طرز عمل سے، بلکہ اس کے برعکس، اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، ایفائے عہد، احترام جان و مال وعصمت اور پاسداری حقوق کی تعلیم دی گئی ہے۔ دراصل یہاں

Marfat.com

مومنین کی ایمانی پختگی، عزم مصمم، حمیت اور مقصد عظیم سے مکمل وابستگی کا اظہار مقصود ہے۔

(۳) ''وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے'' اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں یہ فقرہ اس طرح ہے ''وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔'' اس میں ''اپنے لوگوں کے بجائے'' ''قوموں'' لکھ دیا گیا ہے، جس کے باعث اس کے اور قرآن کی درج ذیل عبارت کے درمیان پائی جانے والی مطابقت ختم ہوگئی اور اس طرح محرفین کی مراد بر آئی۔

قرآن شریف میں ''وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے'' کا مفہوم یوں ادا ہوا ہے ''ورحماء بینهم'' (ایضاً) وہ (بہ شمول نبی اکرمؐ) آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ ''الحب الله والبغض لله'' پر کاربند ہیں نیز ''اصول اور مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لئے محبت اور ہم رنگی و سازگاری پیدا کردی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۶۳، حاشیہ ۵۳)۔

یہاں پیشن گوئی صیغہ حال میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر کو گویا اپنی چشم نبوت سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔

(۴) (اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔ (بہ حوالہ سیرت النبی ج ۳، ص ۸۱۵)

اس میں اور قرآن حکیم کی درج ذیل عبارت میں پایا جانے والا تطابق و توافق قابل دید ہے۔

تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله رضواناً، سيماهم في وجوههم من أثر السجود. (ایضاً)

''تم ان کو (خدا کے حضور) کبھی رکوع کرتے ہوئے اور کبھی سر بہ سجود دیکھو گے۔ وہ خدا کے فضل اور اس کی رضا سے بہرہ یاب ہونا چاہتے ہیں۔ فرماں برداری، کثرت عبادت اور سجدہ ریزی کی وجہ سے ان کے چہرے پر نور اور نشان سجدہ سے متسّم ہیں۔''

مذکورہ بالا تطابق ہم آہنگی کے ملاحظے کے بعد، اب اس امر میں شک وشبہے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ''ذالک مثلهم في التوراة (ایضاً) یعنی ان کی یہ تمثیل تورات میں ہے۔''

حاصل کلام یہ کہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیت نے کتاب استثنا کی زیر بحث بشارت پر مہر تصدیق ثبت کر کے شک و ارتیاب اور گوناں گوں تاویلات کے سارے امکانات ہمیشہ کے لئے مسدود

Marfat.com

کر دیئے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص آفتاب حقیقت کی ظلمت تحریف کو ریزہ ریزہ کر دینے والی شعاعوں کے مشاہدے سے عاجز ہے، تو اس میں مذکورہ آفتاب اور اس کی ظلمت کش شعاعوں کا نہیں، بلکہ خود اس کی کور چشمی اور کور نگاہی کا قصور ہے۔

کتاب استثنا کے علاوہ کتاب ہارون میں بھی سرورِ کونینؐ سے متعلق ایک بشارت درج تھی، جس میں آپؐ کا نام نامی ''احمد'' بھی مذکور تھا۔ مگر افسوس کہ یہ کتاب اب دست یاب نہیں ہے۔ محولہ کتاب کی بشارت سے متعلق مزید معلومات کے لئے دیکھیے ''تعلیقات و حوالہ جات'' حاشیہ نمبر ۳۳۔

❁❁❁

Marfat.com

زبور کی بشارتیں

زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارکہ کی بشارتیں دی ہیں۔ان میں سے ایک بشارت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

(الف) ''میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے۔میں وہی مضامین سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلم بند کیے ہیں۔میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔تیرے ہونٹوں پر نعمت بھی ہے (تیرے ہونٹوں پر لطافت بھری ہے از روئے ترجمہ اردو مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا۔اے زبردست! تو اپنی تلوار کو، جو تیری حشمت اور شوکت ہے، اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو، اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔تیرے تیر تیز ہیں۔وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔اے خدا! تیرا تخت ابدلآباد ہے۔تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت۔اسی لیے خدا! تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔تیرے ہر لباس سے مُر اور عُود اور تج کی خوشبو آتی ہے۔ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاردار سازوں نے تجھے خوش کیا۔تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں۔ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔اے بیٹی! سن، غور کر اور کان لگا۔اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا، اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا، کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے، تو اسے سجدہ کر، اور صور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی۔قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے۔بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتا پا حسن افروز ہے۔اس کا لباس زربفت کا ہے۔وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور میں پہچانی جائے گی۔اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے پیچھے چلتی ہیں، تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی۔وہ ان کو خوشی اور خرمی سے لے آئیں گے۔وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوں گی۔تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے، جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا۔اس لیے امتیں ابدلآباد تیری شکر گزاری کریں گی۔'' (زبور ۴۵: ۱ تا ۱۷ بحوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۶۷،

Marfat.com

نیز دیکھیے بائبل کا اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

مندرجہ بالا بشارت کی عبارات سے یہ صاف عیاں ہے کہ اس میں ایک اولوالعزم پیغمبر کی تشریف آوری کی پیشن گوئی کی گئی ہے اور اہل کتاب بھی عموماً یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان آیات میں سے ایک ایسے نبی کی بشارت دی ہے، جو ان کے بعد ظاہر ہوگا۔ جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے، وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ تا حال کوئی ایسا نبی ظاہر نہیں ہوا جو ان مذکورہ صفات سے متصف ہو۔ البتہ علمائے پروٹسٹنٹ اس بات کے مدعی ہیں کہ آیات منقولہ بالا میں جس نبی کے ظہور کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مگر قرآن وشواہد ان کے اس دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ علمائے پروٹسٹنٹ کے برخلاف، علمائے اسلام کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس میں جس برگزیدہ پیغمبر کی بشارت دی گئی ہے اس کا مصداق نبی آخرالزماں ؐ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت مولانا کیرانویؒ اس مفصل اور واضح پیشین گوئی کی آیات کے تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان میں آنے والے نبی کے جو اوصاف حمیدہ بیان ہوئے ہیں ان کا انطباق صرف اور صرف حضور پرنور محمد ﷺ کی ذات اقدس پر ہے۔ مولانائے موصوف کے بہ قول، اس میں ۱۷ صفات اور خوبیاں مذکور ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب افضل الانبیاء وسید المرسلین میں بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ ان تمام صفات اور سید الانبیاء والمرسلین کی ذات اطہر پر ان کی تطبیق کی مدلل تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) وہ بے انتہا حسین ہوگا۔ (ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۶۸)۔

اس کے حضور اکرم ؐ کی ہستی مبارک پر چسپاں ہونے کی دلیل، بہ قول مولانا کیرانویؒ ابو ہریرہؓ کا یہ بیان ہے کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت اور حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آفتاب آپؐ کے روئے مبارک سے طلوع ہو رہا ہے۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تھے، تو دیوار چمک جاتی تھی۔" (جمع الفوائد، ج ۲، ص ۱۷۹ اور الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۲، بہ حوالہ ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۷۰، حاشیہ ۱)۔

(۲) وہ تمام انسانوں میں افضل ہوگا۔ (مصدر مذکور)۔

مولانا کیرانویؒ کے بہ قول، اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ بہ طور شہادت پیش کی جا سکتی ہے۔ "تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض." ۲:۲۵۳، ان رسولوں میں سے ہم نے بعض پر فضیلت عطا کی ہے" حضرت مولاناؒ کا استدلال یہ ہے کہ اسی آیت میں وارد "ورفع بعضهم درجات" کا مصداق حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کو متعدد وجوہ سے تمام نبیوں سے بلند وارفع کیا ہے۔(دیکھیے مصدر مذکور،ص ۲۷۰)۔

اس ضمن میں مولانائے موصوف نے حضورؐ رسالت مآب کے درج ذیل ارشاد گرامی کو بھی بہ طور دلیل پیش کیا ہے۔

''انا سید ولد آدم یوم القیٰمۃ و لا فخر ''میں قیامت کے روز بنی آدم کا سردار رہوں گا، اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، یعنی یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اللہ کی نعمت کے اعتراف کے طور پر کہہ رہا ہوں۔(کنز العمال، ج ۶،ص ۱۰۱ بہ حوالہ مصدر مذکور،ص ۲۷۰،حاشیہ ۲،ص ۲۷۱)۔

(۳) نعمت اس کے دونوں ہونٹوں سے بہے گی۔(مصدر مذکور،ص ۲۶۹)۔

اس باب میں مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''اس کے ثبوت دینے یا دلیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آپؐ کی فصاحت و بلاغت کا موافق و مخالف سب کو اعتراف واقرار ہے۔ راویوں نے حضورؐ کے کلام وگفتگو کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ صحیح اور سچ لہجے والے تھے، اس لیے آپؐ فصاحت کے لحاظ سے افضل واکمل درجہ رکھتے تھے۔'' (مصدر مذکور،ص ۲۷۱)۔

(۴) وہ برکتوں والا ہوگا۔(ایضاً،ص ۲۶۹)۔

اس کے ثبوت میں مولانا کیرانویؒ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کیا ہے۔

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی (۳۳:۵۶)

''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمت بھیجتے ہیں۔'' (ایضاً،ص ۲۷۱)۔

آپ ﷺ کے بابرکت ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ فرشتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہی ہیں اور آپ ﷺ کے حق میں رحمت خاصہ کی دعا بھی کرتے ہیں، رب ذوالجلال خود بھی آپ ﷺ پر اپنی رحمت خاصہ نازل کرتا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مومنین کو بھی یہ تلقین کی جاتی ہے کہ رب ذوالمنن اور فرشتوں کی طرح وہ بھی، بہ طور احسان شناسی، آپ کی توقیر وتمجید کا فریضہ، بہ طیب خاطر، انجام دیں۔ چنانچہ، آیت محولہ ہی میں آگے ارشاد ہوتا ہے۔

''یا ایھاالذین آمنو اصلوا علیہ وسلموا تسلیما''

(۵) وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا۔(ایضاً،ص ۲۶۹)۔

اس کی تائید میں حضرت مولانا نے سرور کونین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ''انا الرسول بالسیف ......مجھ کو خدا نے تلوار دے کر بھیجا ہے'' (ایضاً ۲۷۱)۔مولانا تقی عثمانی صاحب کو یہ حدیث

Marfat.com

نہیں مل سکی، اس وجہ سے موصوف نے اس ذیل میں کنز الاعمال (ج ۶، ص ۱۱۱) کے حوالے سے ایک دوسری معروف حدیث درج کر دی ہے، جو یہ ہے "أنا نبی الملحمة ...... میں جنگ وجدال کا نبی ہوں"، یعنی برائیوں اور سرکشیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے بسا اوقات مجھے تلوار سے کام لینا پڑے گا۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۷۱، حاشیہ ۱)

(۶) وہ طاقت ور ہوگا۔ (ایضاً ص ۲۶۹)۔

اس کے اور آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری کے ثبوت میں مولانا کیرانویؒ نے تین روایتیں پیش کی ہیں، جو یہ ہیں۔

(الف) رکانہ جو عرب کا نامی گرامی پہلوان تھا اور جس کی جسمانی قوت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مسلمانوں سے قبل ایک مرتبہ تنہائی میں حضور ﷺ سے مکہ کی کسی گھاٹی میں ملا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا اور میری دعوت قبول نہیں کرے گا؟ کہنے لگا اگر مجھ کو آپؐ کے سچا ہونے کا یقین ہو جائے تو، میں آپؐ کی اتباع کے لئے تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تجھ کو پچھاڑ دوں، تو کیا تو میرے سچا ہونے کا یقین کرے گا؟ کہنے لگا ضرور۔ آپؐ نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور بالکل بے بس کر دیا۔ اس نے کہا اے محمدؐ! ذرا دوبارہ گرا کر دکھایئے۔ آپؐ نے اس کو دوبارہ پٹخ دیا۔" (الخصائص الکبریٰ از سیوطی، ج ۱، ص ۱۲۹، ۱۳۰، بہ حوالہ مصدر مذکور ص ۲۷۲)۔

(ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے آپؐ سے زیادہ کسی کو بہادر دیکھا، نہ دلیر اور نہ آپ سے زیادہ کسی کو سخی پایا۔" (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۲، بہ حوالہ مصدر مذکور)۔

(ج) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ "جب لڑائی کی آگ بھڑک جاتی تھی، تو ہم حضورؐ کے ذریعے سے اپنے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسے موقعے پر ہم سب میں آپ ہی دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے۔ مجھ کو وہ منظر یاد ہے جب کہ بدر کے دن ہم حضورؐ کی پناہ لیے ہوئے تھے، اور آپؐ دشمن کے زیادہ قریب تھے، اس روز آپؐ نے سب لوگوں سے زیادہ جنگ کی۔" (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۳، بہ حوالہ مصدر مذکور ص ۲۷۲، ۲۷۳)۔

(۷) حق و صداقت اور وقار و سکون والا اور سچائی کا علم بردار ہوگا۔ (ایضاً ص ۲۶۹)۔

اس سلسلے میں درج ذیل دو حدیثوں کو بہ طور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

(الف) نظر بن حارث نے قریش سے کہا "محمد ﷺ نے تم میں بچپن سے نشو و نما پائی ہے۔ اس میں تمام دور میں وہ تم میں مقبول اور پسندیدہ اور بات کے سچے پکے، امانت میں اونچے درجے کے

Marfat.com

ثابت ہوئے۔ اب جب ان کے بالوں میں سفیدی آ گئی ہے اور جو کچھ بھی وہ تمہارے پاس لائے ہیں، تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ نہیں، خدا کی قسم، وہ ہرگز جادوگر نہیں ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۱۴ بہ حوالہ مصدر مذکور، ص ۲۷۳)۔

(ب) ہرقل، شام روم نے ابوسفیان سے جب حضور ﷺ کا حال دریافت کیا، تو پوچھا کہ ''محمد ﷺ نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے، کیا اس سے پہلے کبھی تم نے ان کو جھوٹ بولتے ہوئے پایا ہے''؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ (ایضاً نیز دیکھیے صحیح البخاری، ج ۱، ص ۴، باب کیف کان بدء الوحی)۔

(۸) اس کے ہاتھ سے عجیب طور سے ہدایت ہوگی۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

مولانا کیرانویؒ ارقام فرماتے ہیں ''(اس) کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے جنگ بدر اور جنگ حنین کے موقعے پر خاک کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کے منہ اور چہروں پر ماری، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک کافر ایسا نہ تھا جو کہ اس کی زد سے بچ رہا ہو، بلکہ سب کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی اور شکست کھا کر بھاگے، اور مسلمانوں نے ان کو قتل اور قید کر لیا۔ (مصدر مذکور، ص ۲۷۳ء مزید تفصیل کے لئے دیکھیے مصدر مذکور کے صفحات ۱۴۷، ۱۴۸)

(۹) اس کا تیر تیز ہوگا۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

اس ضمن میں ثبوت کے طور پر مولانا کیرانویؒ نے درج ذیل تین روایتیں نقل فرمائی ہیں۔

(الف) فرماتے ہیں کہ اولادِ اسماعیل علیہ السلام کی طرح، حضور ﷺ کو بھی یہ کام (تیر اندازی) بڑا مرغوب تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ''عن قریب تم لوگ رومیوں پر فتح حاصل کرو گے اور اللہ تمہارے کام کی کفایت کرے گا۔ اس لیے تم میں سے کوئی شخص تیر اندازی کے کھیل سے عاجز نہ رہے۔'' (مصدر مذکور، ص ۲۷۴)۔

(ب) آپؐ نے دوسری جگہ فرمایا ''اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کیا کرو، کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے۔'' (صحیح البخاری، ج ۱، کتاب الانبیاء، ص ۱۹)۔

کتاب پیدائش، باب ۲۱ کی آیت نمبر ۲۰ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(ج) اور یہ بھی فرمایا کہ ''جس نے تیر کا فن سیکھا اور اسے چھوڑ دیا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' (جمع الفوائد، ج ۲، ص ۱۹، بہ حوالہ ب س ق ت، ج ۳ ص ۲۷۴)۔

(۱۰) قومیں اس کے ماتحت ہو جائیں گی۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''(اس) کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ حضورؐ کی

Marfat.com

حیات طیبہ ہی میں اللہ کے دین اسلام میں لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج داخل ہونے لگے تھے اور صرف دو سال کی مدت میں مسلمان ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں ہو گئے'' (مصدر مذکور ص ۲۷۴، ۲۷۵)۔

(۱۱) وہ نیکی کو پسند کرنے والا اور گناہ کو مبغوض رکھنے والا ہو گا۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

اس کے ثبوت میں مولانا کیرانویؒ نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ:

''(یہ بات) اس قدر معروف و مشہور ہے کہ جس کا اقرار و اعتراف کٹر سے کٹر مخالفین کو بھی ہے۔ (مصدر مذکور ص ۲۷۵ نیز دیکھیے ص ۱۷۲، ۱۷۳)۔

(۱۲) بادشاہوں کی بیٹیاں اس کی خدمت گزار ہوں گی۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

اس سلسلے میں حضرت مولاناؒ حضورؐ کی حیات طیبہ سے کوئی مثال پیش کرنے کے بجائے حضرت امام حسینؓ اور دیگر مسلمانوں کی مثالیں دے کر یوں رقم طراز ہیں ''یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہزادیاں اور امیر زادیاں طبقہ اولیٰ کے مسلمانوں کی حرم سرا میں داخل ہوئیں اور ان کی خادمائیں بننے کا فخر حاصل کیا۔ ان میں سے شہر بانو جو یزدگرد شاہ ایران، کی بیٹی تھیں، امام حسینؓ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ (مصدر مذکور، ص ۲۷۵)۔

حضرت شہر بانو کا حضرت امام حسینؓ کی زوجیت میں داخل ہونے نیز دیگر شہزادیوں کو دوسرے مسلمان کے حوالے کیے جانے سے متعلق روایت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ''جب فارس فتح ہوا، تو یزد گرد، شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینے میں آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام و سپردگی میں دی جائیں، اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لے لیا اور ایک امام حسینؓ کو، یک مہمد بن ابی بکرؓ کو ایک عبداللہ بن عمرؓ کو عنایت کی۔'' (ماخوذ از الفاروق از شبلی، ج ۲، اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء ص ۱۵۷، ۱۵۸۔)

لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔ علامہ شبلی نے اس کو غلط طور پر مشہور ایک قصہ قرار دے کر اس کی تردید کی ہے اور اس سلسلے میں تین معقول دلائل بھی پیش فرمائے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اول یہ کہ اس کو زمخشری نے، جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الابرار میں نقل کیا اور پھر ابن خلقان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالے سے درج کر دی۔ لیکن یہ محض غلط ہے کیونکہ زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس

Marfat.com

واقعے کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ تاریخی قرائن بھی اس کے بالکل خلاف ہیں، اس لیے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مداین کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل وعیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان کی طرف بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ (مطابق ۶۵۱-۶۵۰ء) جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے، مارا گیا۔ اس کی آل اولاد گرفتار ہوئے ہوں گے، تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر ۱۲ برس کی تھی، کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال میں پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعے کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۱۵۸)

خلاصہ کلام یہ کہ عہد فاروقی میں یزدگرد کی بیٹی، حضرت شہر بانو، کا گرفتار ہو کر مدینہ آنا اور ان کا حضرت حسینؓ کی زوجیت میں داخل ہونا تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا زیر بحث پیشین گوئی کے حق میں اس سے استدلال کرنا ایک نامناسب امر معلوم ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کیرانویؒ کو اس کے بجائے کسی ایسے واقعے کو بہ طور ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا جس کی صحت ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہو۔

(۱۳) تحفے اور ہدیے اس کو پیش کیے جائیں گے۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

(۱۴) قوم کے دولت منداس کے مطیع ہو جائیں گے۔ (ایضاً)

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ’’نمبر ۱۳ اور ۱۴ کے ثبوت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نجاشی، شاہ حبشہ اور مندر بن ساویٰ، بحرین کا حکمران اور سلطان عمان مطیع وفرماں بردار ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ نیز ہرقل، قیصر روم، نے حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ قبطیوں کے بادشاہ ’’مقوقس‘‘ نے بھی حضورؐ کی خدمت میں تین باندیاں، تین حبشی غلام، ایک خوبصورت خچر اور دو دراز گوش گھوڑے اور بیش قیمت کپڑے، بہ طور ہدیہ ارسال کیے۔‘‘ (مصدر مذکور، ص ۲۷۵)۔

Marfat.com

(۱۵) اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی۔ (مصدر مذکور، ص ۲۶۹)۔

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ "(اس کی) دلیل یہ ہے کہ امام حسنؓ کی اولاد میں سے بہت سے خلیفہ بنے، اور مختلف ممالک حجاز ویمن، مصر ومغرب شام، وفارس، ہندوستان وغیرہ میں ہزاروں امرا وسلاطین آپؐ کی نسل سے ہوتے رہے اور آج تک حجاز ویمن اور دوسرے بعض ملکوں میں بے شمار امرا وحکام حضورؐ کی نسل کے پائے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ امام مہدی بھی آپؐ ہی کی نسل سے ظاہر ہوں گے۔ اور دنیا میں خدا کے خلیفہ بنیں گے۔ (مصدر مذکور، ص ۲۵۷) امام مہدی سے متعلق مزید معلومات کے لئے دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ا، از مولانا مودودیؒ، ص ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸)۔

(۱۶) اس کا نام تمام نسلوں میں یکے بعد دیگرے مشہور اور مذکور ہوگا۔ (مصدر مذکور، ۲۶۹)۔

(۱۷) قوم اس کی ہمیشہ مدح وثنا کریں گی۔ (ایضاً)۔

مولانا کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "نمبر ۱۶ اور ۱۷ کی شہادت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہزاروں لاکھوں انسان مختلف قوموں اور قبیلوں کے، پانچوں وقت بلند آواز سے مختلف ملکوں میں "اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ" کی صدائیں لگاتے ہیں اور ان پانچوں اوقات میں ان گنت اور بے شمار نمازی آپؐ پر درود پڑھتے ہیں اور لاکھوں حافظ وقاری آپ کے منشور کو حفظ کرتے ہیں۔ مفسرین آپ کے لائے ہوئے قرآن کے معانی کی تفسیر اور واعظ آپ ﷺ کے وعظ کی تبلیغ کرتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء سلاطین روضہ مبارک پر حاضر ہوتے ہیں اور دروازے کے باہر سے آپؐ پر درود پڑھتے ہیں اور اپنے چہروں کو روضہ اقدس کی مبارک خاک سے رگڑتے ہیں اور آپؐ سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں۔" (مصدر مذکور، ص ۲۷۶)۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ علمائے پروٹسٹنٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زبور کی اس بشارت کا مصداق تصور کرتے ہیں لیکن اس مفصل اور مدلل تجزیے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ سارے اوصاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی پر صادق نہیں آتے۔ عمائے پروٹسٹنٹ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کتاب اشیعا (یسعیاہ) کے باب ۳۵ میں دی ہوئی بشارت میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہستی مبارک سے متعلق ہے۔ مگر اس میں حضرت ابن مریم علیہما السلام کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، ان کا منقولہ بالا اوصاف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کتاب اشیعا (یسعیاہ) کی بشارت کی عبارت کچھ یوں ہے۔

"نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے، نہ خوبصورتی، اور جب ہم اس پر نگاہ کریں، تو کچھ حسن

Marfat.com

وجمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں۔ وہ آدمیوں میں حقیر ومردود، مرد غم ناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اس سے گویا روپوش تھے۔ اس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی (باب ۵۳: ۲، ۳ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

عبارت بالا اور دیگر شواہد کے تمحیص وتجزیے کے بعد مولانا کیرانویؒ بہ جا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بات چسپاں نہیں ہوتی کہ وہ بے انتہا حسین اور طاقت ور ہوگا۔ اسی طرح ان پر یہ بات بھی صادق نہیں آتی کہ وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا، نہ یہ کہ اس کا تیر تیز ہوگا۔ نہ یہ کہ اہل ثروت اس کے مطیع وفرماں بردار بنیں گے اور نہ یہ کہ اس کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجے جائیں گے۔ ان پر یہ بات بھی تو صادق نہیں آتی ہے کہ بادشاہوں کی بیٹیاں اس کے گھر میں داخل ہوں گی کہ ان کے کوئی بیوی نہ تھی اور نہ یہ کہ اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ زمین کی بادشاہ ہوگی کہ آپ علیہ السلام صاحب اولاد بھی نہ تھے۔ علاوہ ازیں، عیسائی عقائد اور نقطہ نظر کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا، ان کو ذلیل کیا گیا، ان کا مذاق اڑایا گیا، ان کو کوڑوں سے مارا گیا، اور پھر ان کو سولی پر لٹکا دیا گیا، (جبکہ قرآن کریم کے مطابق نہ ان کو گرفتار کیا گیا نہ انہیں سولی پر لٹکایا گیا، بلکہ ان کو اٹھالیا گیا، دیکھیے ۴: ۱۵۷، ۱۵۸)۔ یہ ساری باتیں بھی زبور کی بشارت میں بیان شدہ صفات کے برعکس ہیں، تو پھر بشارت مذکورہ کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی پر کیوں کر ہوسکتا ہے؟ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳ ص، ۲۷۷)۔

(ب) **زبور** کی دوسری پیشین گوئی کچھ یوں ہے۔

''خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو۔ اسرائیل اپنے خالق میں شادمان رہے، فرزندان صیّون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادمان ہوں۔ وہ ناچتے ہوئے اس نام کی ستائش کریں۔ وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں، کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا۔ مقدس لوگ جلال پر فخر کریں، وہ اپنے بستروں پر نغمہ سرائی کریں، ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھوں میں دو دھاری تلوار ہوتا کہ قوموں سے انتقام لیں اور امتوں کو سزا دیں۔ ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں تا کہ وہ ان کو سزا دیں جو مرقوم ہے۔ اس کے مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے خداوند کی حمد کرو۔ (۱۴۹: ۱ تا ۹ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

بہ قول مولانا کیرانویؒ زبور ہذا میں جس نبی کی پیشین گوئی کی گئی ہے اس کو بادشاہ قرار دیا گیا ہے اور

Marfat.com

اس کے متوسلین متبعین کو مقدس لوگ کہا گیا ہے۔ اس میں ان کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ان کا تسبیح و تمجید پر فخر کرنا، ان کے منہ میں خدا کی تمجید ہونا، اور ان کے ہاتھوں میں دو دھاری تلواریں ہونا، ان کا دوسری قوموں سے انتقام لینا اور ملامت کرنا اور ان کا بادشاہوں اور سرداروں کو لوہے کی زنجیر اور بیڑیوں میں جکڑنا اور قید کرنا۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۰)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد یہودیوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام مبعوث ہوئے، جن کی شاہانہ حیثیت اور شان و شوکت مسلم ہے اس کے باوجود کم از کم دو وجوہات کی بناء پر آں جناب علیہ السلام کو اس بشارت کا مصداق تصور کرنا درست نہ ہوگا۔ ایک تو یہ کہ اہل کتاب کے بہ موجب ان کی سلطنت اپنے والد کی سلطنت سے وسیع تر نہ ہوسکی۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب ہی کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام (نعوذ باللہ نقل، کفر، کفر نہ باشد) اپنی عمر کے آخری ایام میں مرد اور بت پرست ہوکر شہوت رانی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ (دیکھیے ا۔ سلاطین ۱۱: ۱، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۳، ۴۱ اور نحمیاہ ۱۳: ۲۶)۔

یہ بشارت کئی وجوہات کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی صادق نہیں آتی۔ ایک تو یہ کہ آپ عیلہ السلام شاہانہ کروفر سے متصف نہ تھے۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب کے نظریے اور عقیدے کی رو سے، آپ علیہ السلام کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ آپ علیہ السلام کے حواریوں کا دوسری قوموں کے بادشاہوں اور سرداروں سے انتقام لینا اور ان کو مقید کرنا تو درکنار، ان میں سے بیشتر خود ہی گرفتار ہوکر کافر بادشاہوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوگئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت سماوی کے بعد نبی آخر الزماںؐ نے اپنے ورود پرنور سے اس دار فانی کو رونق بخشی اور اس کے چپے چپے میں غلغلہ حق بلند کر دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ جن وانس ہی نہیں جمادات و نباتات بھی زبان حال سے خدائے بزرگ و برتر کی تسبیح خوانی کرنے لگے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے اپنے پاکیزہ اصحابؓ کی تربیت کر کے ایک ایسی خدا ترس، مہذب اور طاقت ور جماعت تیار کی۔ جس نے اپنی بے سروسامانی کے باوصف، بڑے بڑے بادشاہوں اور سورماؤں کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اگر تعصب اور بدنیتی کو بالائے طاق رکھ کر اس بشارت میں بیان شدہ جملہ اوصاف پر غور کیا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ تمام کے تمام، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ اطہار کے علاوہ کسی اور شخصیت اور امت پر صادق نہیں آتے۔

(ج) اس ذیل میں زبور سے ایک اور شہادت پیش کی جاتی ہے، جس میں لفظ ''بکا'' (بکہ) وارد ہوا ہے۔ اور جس میں واقع بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے حضرت داؤد، بہ طور خاص، بڑے بے

Marfat.com

تاب نظر آتے ہیں (دیکھیے بائبل کے اردو اور عربی تراجم مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ۱۹۵۲ء میں زبور ۸۴ آیت نمبر ۲، نیز دیکھیے سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۵۰)۔ حضرت داؤد کے اشتیاق زیارت بیت رب کا اصل سبب مستقبل میں اس کا حضور اکرمؐ کے سجدوں سے آباد ہونا اور اس کو ابدی قبلہ قرار دیا جانا ہو سکتا ہے۔ جن آیتوں میں ''بکا'' بیت اللہ شریف اور وہاں کے رہنے والوں کا ذکر آیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں۔

وہ سدا تیری تعریف کریں گے۔

مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔

جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں۔

وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔ (۸۴: ۴، ۵، ۶، ماخوذ از ترجمہ اردو مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں یہ آیت کچھ یوں ہے۔

''مبارک وے ہیں جو تیرے گھر میں ہیں۔ وے سدا تیری ستائش کریں گے۔ مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وے بکا کی وادی میں گزر کرتے ہیں، اسے ایک کنواں بناتے۔'') بہ حوالہ رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۲۰۳)۔

بائبل کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں ان آیات کا عربی ترجمہ یوں ہے۔

''طوبی للساکنین فی بیتک ابداً یسبحونک. طوبی لاناس عزھم بک. طرق بیتک فی قلوبھم. عابرین فی وادی البکآء یصیرونه ینبوعاً''(۸۴: ۴، ۵، ۶)

اور انگریزی بائبل مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اس کا ترجمہ یوں ہے۔

Blessed are they that dwell in the house: They will be still praising thee. Blssed is the man whose strength is in thee: in whose heart are the ways the ways of them. who passing through the valley of Ba`ca make it a weelB(84:4,5,6).

آگے بڑھنے سے پہلے چند امور کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اردو انگریزی ترجموں میں آیت نمبر ۵ کے پہلے فقرے۔ مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے، مبارک ہے

Marfat.com

blessed is the man whose strength is وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ in thee میں ''انسان/آدمی/''man'' بہ صیغہ واحد استعمال ہوا ہے۔ جب کہ عربی ترجمے کی عبارت طوبی لاناس عزهم بک ۔میں اس کے بجائے ''اناس'' آیا ہے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ پورا فقرہ آیت نمبر ۴ کے فقرہ اول۔ طوبی للسکانین فی بیتک ۔کی صفت کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ا، ص ۲۰۵)۔

دوسرے یہ کہ اردو تراجم مطبوعہ ۱۹۶۸ء و ۱۸۷۰ء میں علی الترتیب ''جس کے دل میں صیون کی راہیں ہیں'' ''in whose heart are the ways of teem'' اور ان کے دل میں تیری راہیں ہیں'' منقول ہے۔ مگر انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں آیت مذکورہ کا یہ فقرہ ان الفاظ پر مشتمل ہے۔

(یعنی جس کے دل میں ان کی راہیں ہیں) جہاں تک عربی تراجم مطبوعہ ۱۸۷۱ء و ۱۹۵۲ء کا تعلق ہے، ان میں یہ فقرہ اس طرح ہے ''طرق بیتک فی قلوبهم '' (ان کے دلوں میں تیرے گھر کی راہیں ہیں) اور یہی انسب واضح معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت نمبر ۶ کے اردو اور عربی تراجم مطبوعہ ۱۹۶۸ء و ۱۹۵۲ء میں بالترتیب ''بکا'' اور ''بکاء'' تحریر ہے۔ لیکن انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں ''Ba`ca'' مذکور ہے ایک بات اور۔ رحمۃ للعالمین جلد اول میں آیت نمبر ۶ کے جو عربی، اردو اور انگریزی ''ترجمے درج ذیل ہیں، ان میں ''بکآ''، ''بکا'' (بغیر اعراب) اور ''Beca'' مندرج ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۰۲، ۲۰۳) کتاب مذکور میں گو انگریزی ترجمے کا سنہ اشاعت درج نہیں ہے، تاہم وہ بھی ۱۹ ویں صدی کا شائع کردہ معلوم ہوتا ہے۔

عبارت بالا کے تمحیص و تجزیے سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(ا) ایک تو یہ کہ خدائے ذوالجلال کا ایک مقدس گھر ہے، جس کے باشندے مبارک ہیں اور جن کا وصف خاص یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ تسبیح و تحمید میں مصروف رہتے ہیں (اور ایسا سدا کرتے رہیں گے)۔

ساکنین بیت سے دراصل حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے، جنہیں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس بات کی تائید دعائے ابراہیمی پر مشتمل درج ذیل قرآنی آیات سے ہوتی ہے۔ ''ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرم ۔(۱۴:۳۷) اے خدا میں نے اپنی ذریت کو ایسی وادی بے آب و گیاہ میں آباد کیا ہے جو

Marfat.com

تیرے مقدس گھر کے پاس واقع ہے۔"

(۲) دوسرے یہ کہ ان کی قوت اور عزت کا انحصار دنیاوی اسباب و وسائل پر نہیں، بلکہ رب العزت کی ذات عالی پر ہے۔ نیز عربی ترجمے کے مطابق، ان کے دلوں میں تیرے (یعنی رب ذوالمنن) کے گھر کی راہیں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہ اپنے رب کے گھر کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نمایاں حقیقت ہے جو کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اردو اور عربی ترجموں (مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ۱۹۵۲ء میں "بکا" اور "بُکَاء" تحریر ہے۔ لیکن اردو اور عربی تراجم مطبوعہ ۱۸۷۰ء و ۱۸۱۱ء میں "بکا" اور "بُکَاء" مرقوم ہے۔ جہاں تک محولہ بالا انگریزی ترجموں کا تعلق ہے، ان میں "Ba`ca" اور "Baca" ہے۔ سطور ذیل میں اس پر قدرے مفصل بحث کی جائے گی۔

عربی میں "بکا" کے معنی رونے کے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے "وادی بکایا"، "وادی البکاء" کے معنی رونے کی وادی کے ہوں گے۔ اہل بائبل مدتوں سے اسم عام (Common Noun) سمجھ کے اس کا ترجمہ یوں ہی کرتے رہے ہیں۔ مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا رشتہ آیت نمبر ۴ کی عبارت "تیرے گھر سے" مکمل طور پر منقطع ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف، اگر اس لفظ کو اسم خاص یا علم (Proper Noun) تسلیم کیا جائے، تو "تیرے گھر سے" اس کا تعلق برقرار رہے گا اور معنی و مطلب میں بھی کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہے گا۔ انگریزی ترجموں میں اس کو "Ba`ca" یا Beca لکھا گیا ہے، یعنی اس کے حرف اول کو انگریزی املا کے قاعدے کے مطابق بڑے حرف سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ کم از کم انگریزی کے مترجمین اس کو مکے کا دوسرا نام نہ سہی، مگر اسم خاص ضرور تصور کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں اسی کو "بکہ" کہا گیا ہے۔ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ (۹۶:۳) پہلا گھر جو کہ لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے وہ ہے جو "بکہ" میں ہے" اسی طرح زبور اور قران کے بیان میں ایک گونہ تطابق و توافق پیدا ہو گیا ہے۔

علامہ شبلی کے نزدیک بھی، بکا اور بکہ ایک لفظ ہیں ان میں فرق اسی قدر ہے جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق ہوتا ہے۔ (دیکھیے سیرت النبی، جلد اول، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۱)۔ فرانس کے مشہور محقق اور عربی داں، پروفیسر دوزی فرماتے ہیں۔

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ ماکروبہ (Macoraba) لکھتے ہیں (۹)" (ایضاً،

Marfat.com

ص ۱۵۲)۔ مار گولیوث (Margoliouth) اگر چہ شہر مکہ کی قدامت کو تسلیم نہیں کرتے، تاہم وہ اس حقیقت کا اعتراف ضرور کرتے ہیں کہ زبور کا بکا یا بکہ اور مکہ ایک ہی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''قدیم تاریخوں میں اس شہر (مکہ) کا نام نہیں ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴-۴) میں ''وادی بکہ'' کا لفظ ہے (ایضاً)۔ George Sale کے مطابق، بکہ، مکہ کا دوسرا نام ہے۔ (دیکھیے The Koran، ص ۵۷، حاشیہ ۱)۔

الغرض یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زبور کا بکا یا بکاء (Ba`ca) اور قرآن مجید کا بکہ، جو بعد میں مکہ ہو گیا، ایک ہی لفظ ہیں اور ان دونوں سے ایک ہی مقام مراد ہے۔

مزید وضاحت کے طور پر عرض ہے کہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق کی رو سے، لفظ مکہ، بکہ کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وادی میں آباد کیے گئے اس وادی کا یہی نام تھا۔ اس کے معنی آبادی کی ہیں، جیسا کہ لفظ بعلبک سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل (Babylon) سے تشریف لائے تھے، اس وجہ سے انہوں نے مکہ کے لئے اپنی زبان کا لفظ پسند کیا (دیکھیے مفردات القرآن از علامہ فراہی بہ حوالہ تدبر قرآن، ج ۲، از مولانا امین احسن اصلاحیؒ، دہلی ۱۸۸۹ء، ص ۱۴۵، حاشیہ ۱) مولانا امین احسن اصلاحیؒ بھی بکہ کو مکہ کا قدیم نام تسلیم کرتے ہیں، جس کے لغوی معنی، ان کے نزدیک شہر کے ہیں مثلاً بعلبک (بعل کا شہر)۔ موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہود نے بکہ کی قرأت اور املا میں تصرف کر کے اس کو بکاء بنا دیا اور ایسا انہوں نے آخری نبی کی بعثت کے نشانات کو گم کرنے کی غرض سے کیا۔ مگر آیت (۳:۹۶) میں قرآن نے مکہ کو بکہ کے نام سے ذکر کر کے اس قدیم نام کی یاددہانی کی ہے، جو تورات کے صحیفوں میں تھا، بلکہ بعض صحیفوں میں اب بھی ہے مثلاً زبور (۸۴:۶) میں۔ (دیکھیے تدبر قرآن، ج ۲، ص ۱۴۵)۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے بھی اس پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں دو اقوال درج فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ''بکہ'' اسم علم ہے اور مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس قول کی تائید میں مولانائے موصوف نے کشاف، روح المعانی، قرطبی اور ابن کثیر سے عبارتیں نقل کی ہیں، جو یہ ہیں۔

(۱) ''ھی علم لبلد الحرام ومکة وبکة لغتان فیه'' (کشاف)۔

(۲) ''بکة لغة فی مکة عند الاکثرین'' (روح)۔

(۳) ''قال مجاھد بکة ھی مکة'' (قرطبی)۔

(۴) ''من اسماء مکة علی المشھور'' (ابن کثیر)۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ مکہ، کل شہر کا نام ہے اور بکہ کا اطلاق مسجد حرام اور مطاف پر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل عبارات کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱) ''بكة هو موضع المسجد'' (ابن عباسؓ)۔

(۲) ''بكة موضع البيت ومكة ماسوى ذلك'' (ابن جریر عن ابی مالک)۔

(۳) ''بكة موضع البيت ومكة سائر البلد'' (عن مالک بن انسؒ قرطبی)

(۴) ''قال اب ومالك و ابو صالح وابراهيم النخعي وعطية العوفي ومقاتل بن حبان بكة موضع البيت، ماسوى ذلك مكة'' (ابن کثیر)

(دیکھیے تفسیر قرآن معروف بہ تفسیر ماجدی، ج ا، لکھنو ۱۹۹۵ء، ص ۶۰۹، حاشیہ ۲۰۱)۔

اس ضمن میں مولانا دریابادیؒ نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ بائبل کے قدیم ترجموں نے زبور ۸۴ کی آیت ۶ میں وارد لفظ بکا (بکہ) کو اپنی بے احتیاطی کی عادت کی مطابق، ترجموں میں علم کے بجائے اسم عام قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا۔ لیکن صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلو پیڈیا (جلد دوم، ص ۴۱۵) میں یہ اقرار موجود ہے کہ یہ ایک مخصوص ''بے آب وادی'' کا نام ہے۔ حضرت مولانا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اب اسے اسم عام کے بجائے اسم خاص اور علم سمجھا جانے لگا ہے۔ مولانائے محترم دعائیہ انداز میں فرماتے ہیں کہ جب اتنا ہوا ہے تو اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دے دے کہ یہی ''بے آب وادی'' مکہ معظمہ ہے (دیکھیے مصدر مذکور، نیز دیکھیے جغرافیہ قرآنی، لکھنو ۱۹۵۵ء، ص ۱۷)۔ بہ طور یاد دہانی مزید فرماتے ہیں کہ اس وادی بے آب یعنی بکہ کو مکہ تصور کرنے کی تین مثالین اوپر گزر چکی ہے۔ علامہ فراہیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے بیانات کے بعد اب مزید کسی قول کے نقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیونکہ ان سے بکہ کی حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی۔ جہاں تک حرف بؔ اور حرف میمؔ میں تبادلے کا تعلق ہے، تو یہ کوئی نئی اور تعجب خیز بات نہیں ہے۔ عربی میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسے لازم اور لازب، راتم اور راتب، تمیط اور نبیط (دیکھیے تفسیر ماجدی، ج ۱، ص ۲۰۹)۔ جارج سیل نے بھی اپنے ترجمہ قرآن میں زیر بحث لفظ کے ذیل میں اسی قاعدے کی جانب اشارہ کیا ہے (دیکھیے The Koran، ص ۵۷، حاشیہ ۱)۔ چونکہ حرف بؔ اور حرف میمؔ دونوں ہم مخرج ہیں یعنی دونوں ہی دولبی (Bilabial) ہیں، لہذا ایک کا دوسرے سے تبدیل ہو جانا عین ممکن ہے اور زیر بحث لفظ میں یہی عمل ہوا ہے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ بکہ اسم عام نہیں، جیسا کہ اہل کتاب سمجھتے رہے ہیں، بلکہ اسم علم ہے۔ بعض عیسائی محققین مثلاً George Sale، دوزی اور مارگولیوث نے بھی اسے اسم علم تسلیم کیا ہے، جس کی وضاحت سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ یہ بابلی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے جس کے معنی آبادی اور شہر کے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو غیر آباد، بے آب وگیاہ اور نا قابل کاشت وادی میں لاکر آباد کیا اور اس کے بعد وہاں کعبے کی تعمیر فرمائی، تو آپؑ نے اس کا نام بکہ (یعنی شہر یا آبادی) رکھا، کیونکہ وہاں پانی کی معجزانہ دست یابی کے بعد آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بعد کو عربی کے ایک قاعدے کے مطابق، حرف بؔ حرف میمؔ سے تبدیل ہو گیا۔ اور اس طرح بکہ، مکہ کے نام سے مشہور ومعروف ہو گیا۔ بعض روایات کے بہ موجب، بکہ کا اطلاق مطاف اور مسجد حرام پر ہوتا ہے اور مکہ پورے شہر کا نام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع میں تو بیت اللہ شریف سمیت چاہ زمزم کے پاس آباد مقامات کا نام بکہ رکھا مگر جب آبادی میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کا سلسلہ دراز ہوا، تو کعبے اور اس کے حدود کے لئے بکہ ہی مخصوص رہا، لیکن دیگر آباد خطوں کو مکہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ ان روایات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکہ اور مکہ دو متصل مقامات کے نام ہیں، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں مقامات کسی دوسرے علاقے میں نہیں، بلکہ سرزمین عرب ہی میں واقع ہیں۔ اس طرح دونوں اقوال میں چند لفظی ہیر پھیر کے علاوہ، کوئی خاص اور قابل ذکر تباین وتعارض نہیں پایا جاتا، کیونکہ دونوں میں کم از کم ایک بات تو واضح اور مشترک ہے، اور وہ یہ کہ بکہ اور مکہ ایک ہی لفظ کی دو شکلیں ہیں۔ یہی اس مفصل بحث کا حاصل ہے۔ ہاں، اتنا اور عرض ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ بکہ دب سا گیا بلکہ غائب ہو گیا اور مکہ جو بعد میں بیت اللہ شریف سمیت پورے خطے کو محیط ہو گیا، زبان زد خاص وعام ہو گیا۔ یہ لفظ قرآن شریف کی ایک آیت میں بھی آیا ہے، جو یہ ہے۔ ''وھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفر کم علیھم۔ (۴۸۔۲۴)'' وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے یعنی تمہارے قتل سے اور تمہارے ہاتھ ان سے یعنی ان کے قتل سے قرب مکہ میں روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔''

(۴) مزید یہ کہ وہاں بسنے والے وادی بکا کو چشمے کی جگہ بناتے ہیں یعنی اس میں ایک کنواں بناتے ہیں۔ اس کی تصدیق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے، جس میں پہلے حضرت ہاجرہ علیہما السلام کے وادی بے آب وگیاہ میں پہنچنے پھر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے

Marfat.com

درمیان دوڑنے کا ذکر آیا ہے اور آخر میں مقام زم زم پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ایڑی مارنے سے پانی ابل پڑنے کا تذکرہ ہے، جسے دیکھ کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام حیران ہوگئیں۔ اور اسے کھود کر کنواں بنانے لگیں فقرہ آخر کے اصل الفاظ کچھ یوں ہیں۔

فاذا جبریل قال فقال بعقبه هكذا و غمز بعقبه على الارض قال فانبثق الماء فدهشت ام اسمٰعيل عليه السلام فجعلت تحرف. (صحیح البخاری، ج ۱، کتاب الانبیاء، ص ۴۷۶)

حاصل بحث یہ کہ زبور ۸۴ کی محولہ بالا آیات سے، جیسا کہ قاضی سلیمان منصور پوریؒ فرماتے ہیں اولاد اسماعیل بکہ (مکہ) بیت اللہ اور زم زم صاف طور پر ثابت ہیں (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۲۰۵) نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے اشتیاق اور بے قراری کا اصل سبب شعائر اللہ کی زیارت حاصل کرنا معلوم ہوتا ہے جہاں مستقبل میں اولاد اسماعیل کے چشم و چراغ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری متوقع اور موکد ہے۔

❋❋❋

Marfat.com

غزل الغزلات کی بشارتیں

غزل الغزلات (Song of Solomon) میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پاک سے متعلق ایک بشارت درج ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی مذکور ہے۔ اس بشارت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے پاکیزہ محبوب سے ملنے کی متمنی ہیں، لیکن ان کی یہ مقدس آرزو پوری نہیں ہوتی، تو وہ رب ذوالمنن کی مناجات اور اپنے محبوب کی تعریف وتوصیف کچھ یوں کرتے ہیں۔

''میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے۔ اس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں۔ اس کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر دودھ ڈھلی ہوئی نگینہ کی مانند جڑی ہیں۔ اس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی اور چھلکے پر خوشبودار گڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سونے سے ڈھلے ہوئے اور جواہر سے بڑے ہوئے اس کا پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی جواہر سے لپی ہوئی۔ اس کی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے۔ اس کا چہرہ مانند مہتاب کے جوان (کذا) مانند صنوبر کے اس کا گلا نہایت شریں اور وہ بالکل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب، اے بیٹیو پروشلم کی! (غزل الغزلات ۵: ۱۰ تا ۱۶) بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۳، ۳۸۴)۔

یہ عبرانی عبارت کا اردو ترجمہ ہے سر سید نے اصل عبرانی عبارت بھی درج کی ہے، اس کو عربی حرفوں میں بھی لکھا ہے اور اس کا عربی ترجمہ بھی نقل کیا ہے۔ عبرانی عبارت کی آیت ۱۶ میں محمد کے بجائے محمدیم ہے پوری آیت بہ حرف عربی اس طرح ہے۔

''وکلومحمدیم زہ دودی، وزہ رعی بنوث یروشلایم''

(دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۳، نیز دیکھیے رحمتہ للعالمین ج ۱، ص ۱۱۶ حاشیہ اور النبی الخاتم، دیوبند، ص ۲۳)۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے سر سید فرماتے ہیں کہ یوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہاں خدا

Marfat.com

کی تسبیح میں گیت گایا ہے اور اس کی مناجات کی ہے، مگر وہ ضرور کسی بڑے اور قابل تعظیم و ادب شخص کے آنے کے متوقع ہیں اور اس کی بشارت دیتے ہیں، اس کو اپنا محبوب بتاتے ہیں اور اپنے محبوب کی شاعرانہ تعریف کرتے ہیں اور پھر صاف بتاتے ہیں کہ وہ میرا محبوب (محمد ۹ (۱۹) ہے صلی اللہ علیہ وسلم (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۴)۔ سرسید مزید فرماتے ہیں کہ محمد کے معنی تعریف کیے گئے ہیں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی مناجات میں اپنے محبوب کی تعریف کرتے کرتے اس کا نام ہی لے لیا کہ اگر اس کے معنی لیے جائیں تو وہ بھی ایک لفظ تعریف ہے ورنہ وہ صاف صاف نام تو ہے ہی (دیکھیے مصدر مذکور)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اگر اپنے محبوب کا نام ہی بتانا تھا تو محمد کہا ہوتا محمدیم کیوں کہا؟ اس کا جواب، بہ قول سرسید، یہ ہے کہ عبرانی زبان میں ے (یا) اور میم علامت جمع کی ہے اور جب کسی عظیم الشان اور قابل قدر ہستی کا ذکر مقصود ہوتا ہے تو اس کے اسم کو بھی جمع بنا لیتے ہیں۔ مثلاً خدا کا نام الوہ ہے اس کی جمع الوھیم بنالی ہے۔ اسی طرح بعل جو ایک بت کا نام ہے اور جس کو نہایت عظیم الشان سمجھتے تھے اس کی جمع بعلیم بنالی تھی۔ چنانچہ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے محبوب کے عظیم الشان اور ذی قدر ہونے کے سبب اس کے نام کو بھی صیغہ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور)۔

بائبل کے موجودہ اردو ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۶۸) میں عبرانی لفظ ''محمدیم'' کا ترجمہ ''سراپا عشق انگیز'' کیا گیا ہے جو سراسر غلط ہے اسی طرح عربی اور انگریزی تراجم (مطبوعہ ۱۹۵۲ء و مطبوعہ ۱۹۷۹ء) میں اس کا ترجمہ بالترتیب ''مشتھیات'' اور ''Altogether Lovely.'' کیا گیا ہے۔ یہ سب کتمان حق کی ناکام کوششوں کا نتیجہ ہے اور بس۔

اس ذیل میں ایک اور امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آیت نمبر ۱۰ کے ترجمے میں سرسید نے ''میرا دوست ...... ہزاروں میں سردار ہے'' مرقوم فرمایا ہے جبکہ اردو ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح منقول ہے۔ ''میرا محبوب ...... دس ہزار میں ممتاز ہے'' انگریزی ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۷۹ء) میں اس کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

''My beloved is...... hiefest amaong ten thousand''

البتہ عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۵۲ء) میں ''حبیبی ...... معلم بین ربوۃ'' ہے۔ لیکن ربوۃ کے معنی بھی بڑی جماعت مانند دس ہزار ہی کے ہوتے ہیں (دیکھیے مصباح اللغات، ۱۹۷۲ء ص ۲۷۷)۔

Marfat.com

اس وجہ سے ہزاروں کے بجائے "وہ دس ہزار میں ممتاز اور سردار ہے" اقرب الی القیاس ہے، کیونکہ اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو دست تحریف سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ اگر اس کو آیت نمبر ۱۶ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہستی ہے اور یہ وہی ہستی ہے جسے دنیا محمد کے مبارک نام سے یاد کرتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بھوشیہ پران (Bhavishya Purana) میں بھی ایک جگہ ایک پیشین گوئی درج ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامی "محمد" موجود ہے اور اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحرائی وطن کا بھی ذکر آیا ہے۔

(بھوشیہ پران، پرو ۳، ادھیائے ۳، کھنڈ ۳، شلوک ۵ تا ۸، بہ حوالہ Islam The First and Final Religion، بڑودہ، ۱۹۸۲ء ص ۸)۔

مہارشی ویاس (Maharishi Vyas) نے آنے والے پیغمبروں سے متعلق ان آیات میں موجود دس اوصاف کی نشان دہی کی ہے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(1) The name of the malechcha Prophet (belonging to a foreign country and speaking foreign language) is cleary stated as Mahamad.

(2) He is said to be belonging to Arabia. The Sanskrit word "marusthal" used in the prophecy means a sandy tract of land or desert.

(3) Special mention is made f the companions of the prophet. There has hardly been any other prophet in the world who had such a host of companions all resembling him.

(4) He will be immune from sins, having an angelic disposition.

(5) The Raja of India will show him his hearfelt reverence.

Marfat.com

(6) The prophet will be given protection against his enemies.

(7) He will kill the Devil...... and will do away with all sorts of vices.

(8) He will be an image of the All. Powerful God.

(9) The Maharishi clims to be lying at his feet.

(10) He is regarded as the pride of mankind.

وشنو پران، اتھروید The Gospel of Buddha اور اویستا میں بھی آپؐ کے وصفی اسمائے گرامی حتیٰ کہ آپؐ کے والدین کے ناموں کے ساتھ پیشین گوئیاں موجود ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وشنو پران کے باب ۲۴ میں کہا گیا ہے کہ ویدوں کی تعلیمات پس پشت ڈال دی جائیں گی، قانونی ادارے عضو معطل ہو کر رہ جائیں گے اور تاریک دور کا انجام قریب ہوگا، تو خدا کا آخری اوتار ایک جنگ جو کی شکل میں آئے گا (یعنی اس کو مجبوراً دفع شر کے لئے دشمنان دین کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑے گی۔ راقم) وہ Sambhla Dib (ریت کے جزیرے) کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوگا۔ اس کے باپ کا نام وشنویاسا Vishnuyasa (عبداللہ) اور ماں کا نام سومتی (آمنہ جس پر ہر طرح اعتماد کیا جاسکے) ہوگا۔ (بہ حوالہ محمدؐ رسول اللہ (انگریزی) از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۲۶ نیز دیکھیں محمد رسول اللہ (اردو) دہلی ۲۰۰۳ء ص ۴۳)۔

اتھروید میں آخر میں آنے والے کا نام Narashansah astivishyate یعنی محمود، جس کی تعریف وتوصیف کی جائے، بتایا گیا ہے (جو آپ کا وصفی نام ہے۔ راقم) اس کی گاڑی کو اونٹ کھینچیں گے۔ وہ اتنی تیزی سے رواں دواں ہوں گے کہ وہ آسمان کو چھو رہے ہوں گے (بہ حوالہ محمد رسول اللہ (انگریزی)، ص ۲۶ و محمد رسول اللہ (اردو) ص ۴۲)۔ اس پیشین گوئی کا انطباق بھی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی پر نہیں ہوسکتا۔

مہاتما بدھ نے بھی ایک آنے والے نبی کی پیشین گوئی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے مذہب کو مکمل نہیں کیا، بلکہ ایک Maitreya یا Matteya (سب پر رحم کرنے والے) کا آنا بھی باقی ہے (دیکھیے The Gospel Buddha) بہ حوالہ محمد رسول اللہ (انگریزی) ص ۲۷) اس

Marfat.com

میں بھی حضور اکرم ﷺ کی آمد کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے جو ''رحمتہ للعالمین'' کے دل نواز لقب سے مشہور و معروف ہیں۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ، زرتشت کی کتاب ''اویستا'' میں بھی ایک بت شکن کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کی گئی ہے جس کا نام سوشیانت (Soeshyant) (سب پر رحم کرنے والا) اور استوات اریات Astvat ereat (لوگوں کو پستی سے بلندی پر پہنچانے والا) بتایا گیا (دیکھیے یشت ۱۳۔XXVIII۱۲۹، بہ حوالہ محمد رسول اللہ (انگریزی) ص ۲۵) اس میں کوئی شک نہیں کہ سید المرسلین کی ذات گرامی ہی ان مذکورہ اوصاف سے مزین تھی۔

ان عبارات معترضہ کے بعد، غزل الغزلات کی ایک اور بشارت سے تعرض کیا جاتا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غار حرا میں نبوت سے سرفراز ہونے اور وہاں سے اتر کر اپنی قوم کی طرف آنے کا ذکر آیا ہے۔ پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں ''میرے محبوب کی آواز دیکھ، وہ آرہا ہے۔ پہاڑوں پر سے کودتا اور ٹیلوں سے پھاندتا ہوا چلا آتا ہے'' (۸:۲ نیز دیکھیے النبی الخاتم ص ۳۹)۔

اس میں غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے سرفراز ہونے اور وہاں سے واپس آنے کی جانب واضح اشارہ موجود ہے۔ مولانا حالی نے اسی واقعے کو یوں نظم کیا ہے۔

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر وشکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

(مسدس حالی، علی گڑھ، ۱۹۰۳ء ص ۱۶)

❋❋❋

Marfat.com

کتاب یسعیاہ کی بشارتیں

کتاب یَسَعْیَاہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پاک نیز آپ ﷺ کی ذات گرامی ہجرت غزوات مکہ، حج وغیرہ سے متعلق کئی بشارتیں موجود ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کتاب یسعیاہ کی ایک آیت یہ ہے۔

''اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی، ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ، اور خوب متوجہ ہوا'' (۲۱:۷ بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۶)۔

الخطبات الاحمدیہ (ص ۳۸۶) ہی میں اس کا عربی ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

''ورأی مرکب الفارسین راکب حمارٍ راکب جمل و التفت التفاتاً جیداً

سرسید نے عربی ترجمے کے ساتھ ساتھ عبرانی عبارت بھی نقل کی ہے۔ بائبل کے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں اس آیت کی عبارت اس طرح ہے ''اس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر سوار اور اس نے بڑے غور سے سنا۔'' (۲۱:۷)

اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اس کا انگریزی ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

"And he saw a chariot with a couple of horsemen, a chariot of asses, and a chariot of camels: and he hearkened diligently with much heed. (21:7)

انگریزی ترجمہ (کیتھولک اڈیشن، بنگلور مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں یہی آیت اس طرح منقول ہے۔

"When he sees riders, horsemen in pairs, riders on donkeys, riders on camels, let him listen diligently, very diligently."(21:7)

نیز عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں اس آیت کا ترجمہ کچھ یوں درج ہے۔

''فرأی رکاباً ازواج، رکاب حمیرٍ رکاب جمالٍ فاصغی اصغاءً شدیداً'' (۲۱:۷)

اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء کی عبارتوں میں یک گونہ التباس پایا جاتا ہے۔ مگر سرسید کی نقل کردہ اردو اور عربی عبارتیں اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء کے فقرے میں بڑی

Marfat.com

حد تک واضح ہیں جن میں ایک گدھے کے سوار اور ایک اونٹ کے سوار کا ذکر آیا ہے ان دونوں کی تشریح کرتے ہوئے سرسید فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں حضرت اشعیاہ (یسعیاہ) نبی نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو خدا کی سچی پرستش از سرنو قائم کریں گے۔ ان میں سے ایک کو گدھے کی سواری کے نشان سے بتلایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جناب ممدوح گدھے پر سوار ہوکر یروشلم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے تھے...... (الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۶) حضرت مسیح علیہ السلام نے دکانداروں، کبوتر فروشوں کو بیت المقدس سے نکالا تھا اور خدا کے گھر کو مقدس ٹھہرایا تھا۔

سرسید مزید فرماتے ہیں کہ ''دوسرے شخص کو اونٹ کی سواری کے نشان سے بتلایا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس میں حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے، جو عرب کی خاص سواری......اور جب رسول خدا ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، تو اونٹ پر سوار تھے......'' (ایضاً ص ۳۸۷) جیسا کہ مذکور ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اونٹ پر سوار ہوکر داخل ہوئے تھے اور اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک بھی کیا تھا۔ اس طرح ان دونوں برگزیدہ ہستیوں نے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی کو سچا ٹھہرایا۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج،ص ۱۱۸، حاشیہ۲)۔

(ب) دوسری پیشین گوئی درج ذیل الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

''ہمارے لیے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اس کے کندھے پر ہوگی اور اس کا نام عجیب مشیر خدائی قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔ وہ داؤدؑ کے تخت اور اس کی مملکت پر ابد تک حکمراں رہے گا۔ اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔'' (۹:۶، ۷)

قاضی سلیمان منصوری پوری فقرہ ''ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا'' کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ بشارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی نہیں ہوسکتی کیونکہ انجیل متی سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اور بھی بہنیں اور بھائی تھے اور وہ حضرت مریمؑ کے اکلوتے بیٹے نہ تھے۔ (دیکھیے رحمتہ اللعالمین، ج ۱،ص ۴۰، حاشیہ ۸)

اس بشارت کے دیگر فقرے مثلاً سلطنت اس کے کندھے پر ہوگی''، اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی'' وہ داؤد علیہ السلام کے تخت اور اس کی مملکت پر ابد تک حکمراں رہے گا'' اور ''عدالت وصداقت سے اسے قیام بخشے گا'' بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امتیوں پر صادق آتے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب اقتدار و سلطنت رسول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین ودیگر برگزیدہ ہستیوں نے عدالت وصداقت کی جو مثال قائم کی اس کی نظیر تا قیامت نہ مل سکے گی۔ حقیقت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیغمبرانہ سلطنت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وارث ہیں جس کا سلسلہ تا حال منقطع نہیں ہوا بلکہ اس دور انحطاط میں بھی کم از کم سعودی عرب میں قوانین عادلہ کی نفاذ کی حد تک جاری ہے اور انشاء اللہ تا بہ ابد جاری رہے گا۔ فقرہ ''وہ داؤد علیہ السلام کے تحت اور اس کی مملکت پر ابد تک حکمراں رہے گا'' میں اسی امر کی جانب اشارہ مقصود ہے۔

(ج) ایک اور پیشین گوئی ان الفاظ میں منقول ہے۔

''دیکھو! میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا اور راستی سے عدالت کرے گا وہ ماندہ نہ ہوگا اور نہ ہمت ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔ جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا، جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے، یعنی خداوند خدا یوں فرماتا ہے ہے میں خداوند، نے تجھے صداقت سے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔ یہوداہ میں ہی ہوں، یہی میرا نام ہے۔ میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روانہ رکھوں گا۔'' (۴۲: ۱ تا ۸ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)

اس کے بعد یہ جملہ ہے ''دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔'' (۴۲: ۹)۔

اس جملہ معترضہ کی وجہ سے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کو مغالطہ ہوگیا ہے اور انہوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آیات ۱ تا ۸ میں جس پیغمبر کی علامات وصفات مذکور ہوئی ہیں وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں بلکہ کسی اور نبی کی ہیں (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۵، ۲۸۵)۔ لیکن بعض دیگر علمائے کرام مثلاً قاضی سلیمان منصور پوریؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی کا خیال ہے کہ ان

Marfat.com

آیات میں بیان کردہ اوصاف بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں۔ یہ رائے درست اور اقرب الی القیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت کعبؓ سے مروی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان روایتوں میں دونوں حضرات نے کتاب یسعیاہ کی مندرجہ بالا بشارت کا ترجمہ اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ کی بیان کردہ بشارت کی عبارتوں اور کتاب یسعیاہ کی منقولہ بالا پیشین گوئی کے جملوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل نقل کیا جاتا ہے تا کہ دونوں میں پائی جانے والی موافقت ومماثلت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت ابن عمروؓ اور حضرت کعب سے مروی روایات کے الفاظ	کتاب یسعیاہ کی پیشین گوئی کے الفاظ
(۱) تورات میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔	(۱) وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔
(۲) وہ اُمیوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ (اُمی سے مراد وہ ہیں جنہیں پہلے کوئی شریعت نہ ملی ہو۔)	(۲) ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔
(۳) تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔	(۳) شروع میں ہے "دیکھو میرا خادم (بندہ)" اور پھر ہے "میں نے اپنی روح اس پر ڈالی"۔
(۴) میں نے تیرا نام خدا پر بھروسا کرنے والا رکھا۔	(۴) میرا خادم (بندہ) جس کو میں سنبھالتا ہوں...... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔
(۵) وہ سنگ دل اور سخت نہ ہوگا (یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا) اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا، بلکہ معاف کرے گا۔	(۵) وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔
(۶) وہ بازاروں میں شور کرنے والا نہ ہوگا (یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا)۔	(۶) وہ نہ چلائے گا، نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔
(۷) خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرا لے گا۔	(۷) وہ ماندہ نہ ہوگا اور نہ ہمت ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے۔

Marfat.com

(۸) یہاں تک کہ لوگ کہہ اٹھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔	(۸) یہوداہ (اللہ میں ہوں۔ یہی میرا نام ہے۔ میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روا نہ رکھوں گا۔
(۹) وہ اس کے ذریعے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔	(۹) لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھ کھولے اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ہیں، قید خانے سے چھڑائے۔(۱۱)
(دیکھیے صحیح البخاری)، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ الفتح، ص ۷۱۷ اور تفسیر طبری بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۹۵، نیز دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۷ تا ۲۸۹، حاشیہ)	

مزید برآں، کتاب یسعیاہ کی زیر بحث بشارت میں آنے والے نبی کے لئے ''خادم'' (یعنی بندے) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو سرکار دو عالم ﷺ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ دیگر انبیائے کرام مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بالترتیب ''خلیل اللہ''، ''کلیم اللہ'' اور ''روح اللہ'' کے خطابات سے سرفراز ہوئے، مگر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ''عبداللہ'' (بندہ خدا) کے دل نواز خطاب سے مشرف ہوئے۔ معراج کے مبارک اور روح پرور موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لقب خاص سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

''سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بٰرکنا حولہ لندیہ من ایٰتنا. (۱:۱۷)

''پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تا کہ ہم اسے اپنی نشانیاں یعنی عجائبات دکھلائیں۔''

علاوہ ازیں دیگر کئی آیتوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جاں فزا لقب سے یاد کیا گیا ہے (مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے آیات ۲: ۲۳، ۲۵:۱، ۵۷:۹، ۷۲: ۱۹)۔ کلمہ شہادت جس کے بغیر ایمان کامل نہیں اور تشہد جس کے بغیر کوئی نماز مکمل نہیں، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی 'عبدیت'' کی شہادت موجود ہے۔

Marfat.com

بشارت مذکورہ میں آنے والے نبی کو ''برگزیدہ'' قرار دیا گیا ہے یہ ''مصطفیٰ'' کا ترجمہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف اور ہر دل عزیز لقب ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۰۳ تا ۸۱۳)۔

مذکورہ بالا اوصاف کے پیش نظر یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ہستی نہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے مگر بہ قول مولانا عثمانی، کم از کم تین اسباب و وجوہ سے یہ ان کے حق میں نہیں ہوسکتی۔

اول تو اس لیے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے ''اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے'' حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی عدالت اور حکومت سے پہلے ہی آسمان پر تشریف لے گئے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۶، حاشیہ)۔

دوسرے اس لئے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ ''میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا'' حالانکہ ''عیسائی نظریے کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھتے وقت خدا کو چلا کر پکارتے ہی رہ گئے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) ان کا انتقال ہوگیا اور اسلامی عقیدے کے مطابق بھی، انہیں حکومت حاصل نہ ہوسکی۔ (ایضاً)

تیسرے اس لیے کہ اس عبارت کا آخری جملہ بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے۔ وہ خاص طور پر بت پرستی کا خاتمہ کرنے کو اپنا مقصد بنائے گا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بت پرستوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا۔ (ایضاً)

اس ضمن میں یہ عرض کرنا کچھ نامناسب نہ ہوگا کہ اس بشارت کا ایک حصہ باب ۴۱ کی آیت نمبر ۲ میں بھی مذکور ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

''کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پانو کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا، اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا، کس نے انہیں ...... خاک کے مانند اس کی تلوار کے اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالے کیا۔ (بہ حوالہ سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۹۹)۔

اس میں سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے ہیں لیکن اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں ایک کے علاوہ باقی تمام صیغے حال کے مستعمل ہوئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عبارت میں خفیف سا فرق بھی ہے ترجمہ مذکورہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

Marfat.com

''کس نے مشرق سے اس کو برپا کیا جس کو وہ صداقت سے اپنے قوموں میں بلاتا ہے؟ وہ قوموں کو اس کے حوالے کرتا ہے اور اسے بادشاہوں پر مسلط کرتا ہے اور ان کو خاک کی مانند اس کی تلوار کے اور اڑتی ہوئی بھوسی کی مانند اس کی کمان کے حوالے کرتا ہے۔''

اس کے برعکس، عربی اور انگریزی ترجموں (۱۹۵۲ء، ۱۹۷۹ء) میں ماضی ہی کے صیغے آئے ہیں جو سیرت النبی، ج ۳، میں درج شدہ عبارت کے عین مطابق ہیں۔ البتہ ان میں عبارت کے آخر میں ایک جگہ تلوار اور دوسری جگہ کمان۔ ہے جبکہ سید سلیمان ندویؒ کی پیش کردہ عبارت میں دونوں مقام پر تلوار ہی ہے۔ محولہ بالا انگریزی ترجمے کی اصل عبارت کچھ یوں ہے۔

"Who raised up the righteous man from the east, celled him to his foot, gave the nations before him, and made him rule over kings? he gave them as the dust to the sword and as driven stubble to his bow."

اس درس کے فقرہ اول کا مفہوم کچھ یوں ہے ''وہ راستباز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا'' بہ قول سید سلیمان ندویؒ، تورات کے محاورے میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے (دیکھیے س ن، ج ۳، ص ۷۹۹) چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ جس راست باز (امین Righteous) کی بشارت درج بالا عبارت میں دی گئی ہے اس کا ظہور کہیں اور نہیں بلکہ ملک عرب میں ہوگا۔ خود راست باز یعنی امین کا لقب بھی اس امر پر دال ہے۔ کیونکہ یہ وہ پیارا اور حقیقت پر مبنی لقب ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کی زبان سے قبل نبوت ملا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترقی یافتہ قوموں اور نامور بادشاہوں کو زیر کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے، جس کا ذکر آیت بالا میں موجود ہے۔ یہ بھی اس بشارت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے کی ایک ناقابل تردید دلیل ہے۔

(د) ذیل میں اب اس پیشین گوئی کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جو جملہ معترضہ ''دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے بیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں (۴۲:۹)'' کے بعد ہے۔

''اے سمندر پر گزر کرنے والو! اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کی جلال

Marfat.com

ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش رہا اور ضبط کرتا رہا۔ پر اب میں دردزہ والی کی طرح چلاؤں گا۔ میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا، اور ان کو ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا اور تالابوں کو سکھا دوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا۔ میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں گا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو، وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔'' (۴۲:۱ تا ۷ ماخوذ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

مندرجہ بالا عبارات کے تجزیے سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

نئے گیت سے مراد، بہ قول مولانا کیرانویؒ عبادت کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعت محمدی میں پائے جاتے ہیں اور روئے زمین کے آخری حصے کے باشندوں اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے میں حضورﷺ کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۵، ۲۸۶)۔

قیدار یعنی قیدار بن اسماعیل علیہ السلام (ا۔ تواریخ ۱:۳۰) کے آباد گانو یعنی مکہ اور اس کے آس پاس کے دیہی علاقے میں ''اپنی آواز بلند کریں'' سے مراد قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان قریش کے دیگر حضرات کا مکہ اور اس کے اطراف سے حق کی آواز بلند کرنا ہے۔

فقرہ ''سلع (۱۲) کے بسنے والے گیت گائیں'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود مدینہ منورہ کی جانب اشارہ ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، تو وہاں کی بچیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور اس وقت یہ عربی نغمہ ان کے زیر لب تھا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالا مر المطاع

Marfat.com

''ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔
جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے، اس وقت تک ہم پر اس
کا شکر ادا کرنا واجب ہے اے ہمارے درمیان بھیجے جانے والے! تو ایسے
احکام لے کر آیا ہے جن کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔''

ثنیات الوداع دراصل کوہ سلع کے سلسلے کی گھاٹیاں ہیں (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، حاشیہ از مولانا تقی عثمانی) اہل مدینہ اپنے مہمانوں کو یہاں تک چھوڑنے آتے تھے، اس وجہ سے یہ وادیاں اس نام سے مشہور ہوگئیں۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۹۵، حاشیہ ۲)

الفاظ ''پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں'' کے ذریعے اس مخصوص عبادت کی نشان دہی کی گئی ہے جو حج کے زمانے میں ادا کی جاتی ہے اور جس میں لاکھوں انسان لبیک اللھم لبیک کی پرسوز اور کیف آگیں صدا بلند کرتے ہیں (دیکھیے مصدر مذکور ص ۲۸۶، ۲۶۷)۔ اسی طرح الفاظ ''جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں'' سے اذان مراد ہے کیونکہ دنیا کے مختلف حصوں میں بود و باش رکھنے والے لاکھوں کروڑوں انسان پانچوں وقت بلند آواز سے اذان کہتے ہیں۔ (دیکھیے نفس مصدر، ص ۲۸۷)۔

فقرہ ''خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھائے گا'' میں جہاد کے مضمون کی جانب اشارہ مقصود ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا جہاد محض خدا کے لئے ہوگا اور اسی کے حکم سے ہوگا۔ نفسانی خواہشات کی لذتوں نیز انتقامی اقدامات سے خالی اور انسانی حقوق کی پاس داری کے جذبے سے مملو ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس نبی اور اس کے جاں نثاروں کے خروج کو اپنے خروج سے تعبیر فرمایا۔ (دیکھیے مصدر سابق، ص ۲۸۷، ۲۸۸)۔

آیت نمبر ۱۴ ''میں بہت مدت سے چپ رہا...... زور زور سے سانس لوں گا'' میں جہاد کی مشروعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آیت نمبر ۱۶ ''میں اندھوں کو...... ہموار کردوں گا'' میں اہل عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ یہ لوگ احکام خداوندی سے قطعاً نابلد تھے اور طرح طرح کی گمراہ کن رسموں میں مبتلا تھے۔ قرآن کریم میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ اہل عرب نزول قرآن سے پہلے دین و شریعت سے ناواقف اور کھلی گمراہی میں تھے۔ (دیکھیے مصدر سابق، ص ۲۸۹، ۲۹۰)۔

الفاظ ''میں ان کو ترک نہ کروں گا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے پر دال ہیں (دیکھیے مصدر سابق، ص ۲۹۰) عبارت ''جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے ہیں...... بہت شرمندہ ہوں گے'' کے توسط سے خدا کی طرف سے یہ وعدہ کیا جارہا ہے کہ بت

Marfat.com

پرستوں یعنی مشرکین عرب نیز دیگر اصنام پرست اقوام کو بڑی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ (دیکھیے نفس مصدر، ص ۲۹۰)۔

تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس پیشین گوئی میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سارے کے سارے حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئے۔ سرزمین عرب بہت ہی کم مدت میں کفر و شرک کی پلیدی سے ہمیشہ کے لئے پاک وصاف ہوگئی اور قیصر و کسریٰ کے ایوان شاہی ریت کے گھروندوں کی مانند زمین بوس ہوگئے۔ شام کے عیسائیوں کی حکمرانی بھی جاتی رہی۔ سلطنت حیرہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ آس پاس کے دوسرے ملکوں سے بھی باطل پرستی کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ توحید اور حق پرستی کے پرچم لہرانے لگے، گویا ہر طرف ''جاء الحق و زحق الباطل'' ۱۷:۱۸ (حق آیا اور باطل رخصت ہوا یا آب آمد، تیمم برخاست) کا سماں نظر آنے لگا۔

(ہ) کتاب یسعیاہ کی درج ذیل آیات میں مہاجرین، ہجرت اور جنگ بدر کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔

''اے ددانیوں (Dedanim) کے قافلو! تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ۲۱:۱۳)۔ ''پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما (Tema) کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والے (والوں) کے ملنے کو نکلو' (دیکھیے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء، ۲۱:۱۴ نیز دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۹۰، حاشیہ ۴ اور النبی الخاتم، ص ۲۴) اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں امر کے بجائے ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔''

''کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار (Kedar) کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ (ایضاً، ۲۱:۱۶)۔

''تیراندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے (تھوڑے رہ جائیں گے) کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے'' (عربی ترجمہ، ۱۹۸۲ء وانگریزی ترجمہ ۱۹۷۹ء، ۲۱:۱۷)۔

مسطورہ بالا آیات کی صراحت کرتے ہوئے مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ فرماتے ہیں کہ ''آیت ۱۵ میں مہاجرین کا ذکر ہے، جو ظالم قریش کے سامنے سے جان و ایمان بچا کر بھاگے تھے اور

Marfat.com

مدینہ گئے تھے'' (رحمتہ اللعالمین، ج ۱، ص ۹۶، حاشیہ) مزید فرماتے ہیں کہ ''آیت ۱۳ میں دانیوں اور آیت ۱۴ میں تیماوالوں کو حکم ہے کہ ان کا استقبال کریں اور روٹی پانی سے ان کی تواضع کریں۔ واضح ہو کہ ددان نام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یقسان کے بیٹے، سباء کے بھائی کا (۱۳) سبا اور ددان کی اولاد ملک یمن میں آباد ہوئی تھی''۔

''اہل مدینہ وحوالی مدینہ کو نصرت وتائید کا حکم دینے کے بعد آیات ۱۶، ۱۷ میں ان ظالموں کا انجام بتایا ہے، یعنی قریش کا انجام۔ اس جگہ قریش کو قیدار والے بتایا ہے۔ قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دوسرے فرزند کا نام ہے۔ قریش انہی کی نسل میں سے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اس واقعہ ہجرت کے ایک سال بعد قیدار کے بہادر کمان انداز گھٹ جائیں گے اور ان کی شوکت کم ہو جائے گی۔ چناں چہ، ایک ہی سال کے بعد جنگ بدر کا وقوع ہوا، جس میں قریش کے نامی سردار و مشہور بہادر مارے گئے اور ان کے رعب داب، حشمت و عزت کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ (ایضاً)۔

(د) کتاب یسعیاہ کی درج ذیل بشارت میں مکہ مکرمہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے اور بیت اللہ شریف کی شان اجاگر کی گئی ہے۔ خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے ایسے حقائق بیان کیے گئے ہیں جو حجتہ الوداع کے موقعے سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں عرب میں آباد مختلف قوموں کے قبول اسلام اور ان کی پیش کردہ قربانیوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی کے ساتھ کعبے کو قبلہ قرار دیے جانے کی حقیقت بھی بیان ہوئی ہے۔ بشارت کی اصل عبارت یہ ہے۔

''اٹھ منور ہو، کیوں کہ تیرا نور آ گیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا، دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی امتوں (قوموں) پر، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے۔ تب تو دیکھے گی اور منور ہوگی۔ ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا، کیوں کہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان (Midian) اور عیفہ (Ephah) کی سانڈنیاں تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا (Sheba) سے آئیں گے اور سونا اور لبان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار (Kedar) کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت (Nebaioth) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے، اور میں اپنی شوکت کے

Marfat.com

گھر کو جلال بخشوں گا۔" (۶۰: ۱ تا ۷ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

مشرکین مکہ کے نا قابل برداشت مظالم اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مکہ معظّمہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ میں پناہ لینی پڑی تھی۔ یہ افسوس ناک واقعہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف دونوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوا۔ لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے صحابہ کرامؓ کے حجتہ الوداع کے مبارک اور ضیابار موقعے پر اپنے پورے جاہ وحشمت کے ساتھ مکہ شریف میں قدم رنجہ فرما کر بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا، تو حرم شریف میں گویا بہار کا دریچہ سا کھل گیا، جس سے اس کے فراق زدہ دل کی کلی کھل اٹھی اور پوری فضا مخمور و معطر ہوگئی۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔ ایک تو یہ کہ فرزندان دین کو طویل مفارقت کے بعد ایک دوسرے سے ملنے کا سنہرا موقع ہاتھ آیا، جو ان کی دل بستگی کا باعث ہوا۔ دوسرا یہ کہ دین حق کی شان و شوکت مکمل طور پر ظاہر و باہر ہوگئی۔ آیات ۱ تا ۵ میں انہی حالات و کوائف کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔

آیات ۶ اور ۷ میں مدیان (فرزند ابراہیمؑ بہ بطن حضرت قطورہ)، عیفہ (فرزند مدیان)، سبا (ابن یقسان بن ابراہیم علیہ السلام)، قیدار اور نبایوت (فرزندان حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے لوگوں کا مکے میں جمع ہونا، خدا کی حمد کا اعلان کرنا اور قربانیاں کرنا مذکور ہوا ہے۔ یہ پانچوں حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے ہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ قبائل قریش قیدار کی اولاد ہیں اور دیگر قبائل کا تعلق نبایوت اور دوسرے حضرات سے ہے۔ البتہ اہل یمن کا تعلق سبا سے ہے۔ اسی وجہ سے ملک یمن سبا کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ان مذکورہ حضرات کی نسلیں سرزمین عرب میں آباد ہوئیں اور اپنے مخصوص انداز میں زندگی گزارتی رہیں۔ ساتویں صدی عیسوی کے ربع اول میں جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو دعوت حق دی، تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا اور دین اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسی طرح جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے حجتہ الوداع کے موقعے پر مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو مذکورہ بالا حضرات کے قبیلے کے افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض رساں معیت میں حج کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے۔ یہی نہیں، بلکہ ان سب نے رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر متحدہ طور پر منیٰ میں قربانیاں بھی پیش کیں۔

آیت نمبر ۶ میں سبا (۸ یعنی اہل سبا و یمن) کے سونا اور لوبان لانے کی صراحت بھی موجود ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا، اس سال حضرت علیؓ یمن

Marfat.com

کے حاکم و مبلغ تھے۔ وہ حج کی ادائیگی کے لئے یمن سے سیدھے مکہ آئے تھے اور ملک سبا (یمن) کا زر محصول جو سونا اور لوبان وغیرہ پر مشتمل تھا، انہوں نے اس جگہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں پیش کیا تھا۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۲۴۳، حاشیہ)۔

آیت نمبر ۷ کے آخر میں شوکت کے گھر کو جلال اور بزرگی دینے کی بات کہی گئی ہے۔ شوکت کے گھر سے مراد ''البیت الحرام'' ہے، جو کعبے کا نام ہے۔ یہ نام قرآن کریم کی آیت شریفہ ''جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس'' (۵:۹۷)۔ اللہ تعالیٰ نے کعبے کو شوکت کا گھر بنایا ہے تا کہ لوگ وہاں آکر قیام کریں، میں وارد ہوا ہے۔

جہاں تک شوکت کے گھر کو جلال اور بزرگی دینے کا تعلق ہے، دراصل اس سے اس کو قبلہ قرار دینا مقصود ہے۔

الغرض بشارت بالا میں وارد شدہ مختلف عرب قوموں کے نام، منیٰ اور بیت اللہ شریف کا ذکر، اہل عرب کا قبول اسلام، حجتہ الوداع کے باسعادت موقعے پر سب کا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا نیز خانہ کعبہ کا قبلہ قرار دیا جانا، یہ ایسے تاریخی حقائق وشواہد ہیں جو مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ اور حجتہ الوداع کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ پیشین گوئی اتنی صاف اور واضح ہے کہ اس کی جزئیات سے انکار ممکن نہیں۔

(ز) اب کتاب یسعیاہ کی ایک خاصی طویل اور مفصل بشارت پیش کی جاتی ہے۔ اس میں مکہ مکرمہ، حضرت ہاجرہؓ، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کا ذکر بہ شکل تمثیل ہے۔ بشارت کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

''اے بانجھ! تو جو بے اولاد تھی، نغمہ سرائی کر، تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا، خوشی سے گا اور زور سے چلا، کیوں کہ خداوند فرماتا ہے کہ بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے۔ ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر، اس لیے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی۔ خوف نہ کر، کیوں کہ تو پھر پشیمان نہ ہوگی۔ تو نہ گھبرا، کیوں کہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی، کیوں کہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اس کا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے۔ وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا، کیوں کہ خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی

Marfat.com

طرح ہاں جوانی کی مطلوقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے۔ میں نے ایک دم کے لئے تجھے چھوڑ دیا، لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا۔ خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں، میں نے ایک دم کے لئے تجھ سے چھپایا پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، کیوں کہ میرے لیے یہ طوفان نوح کا سا معاملہ ہے کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئے گا، اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا وار تجھ کو نہ گھڑکوں گا۔ خداوند تجھ پر رحم کرنے والا فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں اور ٹیلے ٹل جائیں، لیکن میری شفقت کبھی تجھ پر سے جاتی نہ رہے گی اور میرا صلح کا عہد نہ ٹلے گا۔''

''اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم! دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا۔ میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راست بازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی، کیوں کہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی، کیوں کہ وہ تیرے قریب نہ آئے گی۔ ممکن ہے کہ وہ کبھی اکٹھے ہوں پر میرے حکم سے نہیں جو تیرے خلاف جمع ہوں گے وہ تیرے ہی سبب سے گریں گے (۱۴)۔ دیکھ میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کے لئے ہتھیار نکالتا ہے اور غارت گر کو میں نے ہی پیدا کیا کہ لوٹ مار کرے۔ کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے کام نہ آئے گا اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی۔ خداوند فرماتا ہے۔ یہ میرے بندوں کی میراث ہے اور ان کی راست بازی مجھ سے ہے۔'' (۵۴: ۱ تا ۱۷ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

اس بشارت میں ''بانجھ'' سے مراد مکہ معظمہ ہے، جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد نہ تو کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اور نہ وحی کا نزول عمل میں آیا۔ اس صورتحال کو واضح کرنے کے لئے اس سے عمدہ تمثیل بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔

فقرہ ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد'' سے مراد حضرت ہاجرہؑ کی اولاد ہے۔ حضرت ہاجرہؑ دراصل اس متروکہ عورت کی مانند تھیں، جس کو گھر سے نکال دیا گیا ہو اور وہ جنگل میں رہنے لگی ہو۔ اسی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں کتاب پیدائش میں یہ الفاظ مستعمل ہوئے ہیں ''وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔'' (۱۶: ۱۲۔ نیز دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۹۳)۔

فقرہ ''شوہر والی کی اولاد'' سے مراد حضرت سارہ کی اولاد ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۹۳)۔

Marfat.com

عبارت ''چھوڑی ہوئی کی اولاد، شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کی اولاد میں سے بعض افراد حضرت سارۃ کی اولاد سے افضل ہوں گے۔ اس وعدے کو اللہ تعالیٰ نے افضل الانبیاء المرسلین، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کو مبعوث کر کے پورا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے طفیل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن مبارک، مکہ، کا نصیب بھی جاگ اٹھا اور اس کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ بہ الفاظ دیگر، مکین کی فضیلت و رفعت مکان کی فضیلت و عظمت کا باعث ہوئی۔ چنانچہ، اسی وجہ سے ابتدائی آیات میں سرزمین مکہ کو تسبیح و تہلیل اور اظہار تشکر و امتنان کا حکم دیا گیا ہے۔ (ایضاً)

آیت ''میں نے لہار کو پیدا کیا، جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کے لئے ہتھیار نکالتا ہے'' کا مصداق خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ اس میں غالباً جنگی ساز وسامان کی فراہمی کی طرف اشارہ مقصود ہے؛ اس لیے کہ حالات سے مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے دشمنوں کے خلاف دفاعی تدبیر کے طور پر تلوار اٹھانی پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر اپنے آپ کو ''انا نبی الملحمة (میں جنگ وجدال کرنے والا نبی ہوں)'' قرار دیا تھا (دیکھیے کنز العمال، ج ۶، ص ۱۱۱ بہ حوالہ ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۷۲، حاشیہ ۱)۔ واضح رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی معرکہ آرائیاں توسیع پسندی اور حرص و ہوس پر مبنی، بے لگام جنگوں کی مانند نہ تھیں، بلکہ وہ انتقامی جذبات اور دنیاوی اغراض و مقاصد سے یکسر پاک وصاف تھیں۔

اسی طرح آیت ''غارت گر کو میں نے ہی پیدا کیا'' میں ''غارت گر'' سے مراد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کیوں کہ خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور منکرین خدا کے استیصال کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور عیاں را چہ بیاں۔

عبارات ''تو نہ گھبرا، کیوں کہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا، اور ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے کبھی آزردہ نہ ہوں گا اور نہ تجھ کو جھڑکوں گا، اور میری شفقت کبھی تجھ سے جاتی نہ رہے گی اور میرا صلح کا عہد کبھی نہ ٹلے گا'' کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے۔ ان میں خدائے بزرگ و برتر نے مکہ کے حق میں جو وعدہ کیا ہے وہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے طفیل، مکہ اور اس میں واقع خانہ کعبہ کو جو تقدس اور

Marfat.com

جلال نصیب ہوا وہ کسی اور مقام یا عبادت گاہ کو نصیب نہ ہوگا۔ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حجاج کرام وہاں حاضر ہوتے ہیں اور والہانہ عقیدت نیز تعظیم و تکریم کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں جو کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی۔ تعظیم و تکریم کا یہ سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

فقرہ ''تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران زمینوں کو بسائے گی'' میں تیری نسل سے مراد فرزندان مکہ معظمہ ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرزندان مکہ نے انتہائی قلیل مدت میں دوسری قوموں کو زیر کیا اور مشرق و مغرب پر عادلانہ حکمرانی کی۔ اپنے دور حکومت میں جہاں انہوں نے متعدد فتوحات حاصل کیں، وہیں ویران اور غیر آباد زمینوں کو آباد کر کے تہذیب و ثقافت کی بنیاد بھی رکھی۔ بہ قول مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، اس قسم کا غلبہ اور تسلط عہد آدم علیہ السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اتنی قلیل مدت میں کسی ایسے شخص کے لئے نہیں سنا گیا، جس نے دین کا دعویٰ کیا ہو۔ (ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۹۴)۔

آیت ''دیکھ! میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا، تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا، میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری فصیلیں بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔'' میں مکہ معظمہ، خانہ کعبہ اور مسجد حرام میں ہونے والے تعمیری اور آرائشی کاموں اور کوششوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مسلم سلاطین کعبۃ اللہ اور حرم شریف کی تعمیر و توسیع میں ہمیشہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ، مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں حجاج کرام کی سہولت کے لئے تالاب، کنویں اور چشمے بھی بنواتے رہے ہیں۔ اس قسم کی خدمات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اس سلسلے میں اگرچہ ترکی کی سلاطین آل عثمان کو ایک خاص امتیاز حاصل رہا ہے، تاہم دور حاضر کی سعودی حکومت کی خدمات جلیلہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جملہ ''کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا، کام نہ آئے گا'' میں اس حقیقت کی نشان دہی مقصود ہے کہ معاندین اسلام میں سے جو بدنصیب اور روسیاہ خانہ کعبہ کی مخالفت اور ضرر رسانی پر کمر بستہ ہوگا، اسے منہ کی کھانی پڑے گی اور ذلت و نکبت سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ خدائے تعالیٰ نے اس میں جو وعدہ فرمایا تھا، اس کو میں نے پورا بھی کر دکھایا۔ اصحاب فیل کے واقعے سے کون شخص واقف نہیں۔ ابرہہ بن صباح اشرف، حاکم یمن، نے انہدام کعبہ کا ناپاک ارادہ کیا اور مکہ پر فوج کشی کی۔ اس کی زبردست فوج ہاتھیوں پر مشتمل تھی، جس کا مقابلہ اہل مکہ کے بس میں نہ تھا۔ عبدالمطلب کی پیش کش کو ٹھکرا کر جب ابرہہ نے اپنے ہاتھی کو حملے کے لئے آگے بڑھایا، تو آگے بڑھنے کے بجائے وہ گھٹنوں

Marfat.com

کے بل وہیں بیٹھ گیا۔ یہ صورتحال کئی بار پیش آئی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کی فوج کے مقابلے کے لئے پرندوں کا ایک لشکر بھیج دیا، جس نے اصحاب فیل کے پرخچے اڑا دیئے۔ قرآن کریم کی سورۃ الفیل (۱۰۵: ۱تا ۵) میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انشاء اللہ مستقبل میں بھی کوئی نابکار مکہ اور خانہ کعبہ کو گزند نہ پہنچا سکے گا۔

(ح) ذیل میں اب ایک ایسی بشارت درج کی جاتی ہیں، جس میں اہل عرب پر کرم فرمانے کی بات کہی گئی ہے اور ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی بد اعمالیوں کا پردہ فاش کر کے ان سے برگشتگی کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔ بشارت کی اصل عبارت کچھ یوں ہے۔

''جو میرے طالب نہ تھے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا، مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو تیرے نام سے نہیں کہلاتی تھی، فرمایا دیکھ میں حاضر ہوں۔ میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغیوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں۔ جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے اور سور کا گوشت کھاتے ہیں اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے۔ جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ۔ میرے نزدیک نہ آ، کیوں کہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں۔ یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں۔ دیکھوں میرے آگے یہ قلم بند ہوا ہے۔ پس میں خاموش نہ رہوں گا، بلکہ بدلہ دوں گا۔ خداوند فرماتا ہے ہاں ان کی گود میں ڈال دوں گا۔'' (یسعیاہ ۶۵: ۱تا ۶ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)

''جو میرے طالب نہ تھے'' اور جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا'' سے باشندگان عرب مراد ہیں نہ کوئی اور قوم۔ قبلِ اسلام عربوں کی یہ حالت تھی کہ وہ خدا اور رسول، معاد و آخرت جزا و سزا وغیرہ کے تصور سے بیگانہ محض تھے۔ البتہ، جب کبھی ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ تو جواب میں رسمی طور پر یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کا خالق ''اللہ'' ہے۔ بس اللہ رب العزت سے ان کا اتنا ہی تعلق تھا۔ علاوہ ازیں، شرعی احکام و قوانین سے بھی وہ قطعاً نابلد تھے۔ اس لیے وہ نہ تو کبھی خدا کو یاد کرتے تھے، اور نہ اس کی طلب میں سرگرداں رہتے تھے۔ مگر ان کے اندر کچھ ایسے اوصاف مثلاً راست بازی اور سچائی، شجاعت و مروت، سخاوت و مہمان نوازی، جفاکشی و جاں فشانی، ایفائے عہد و وفاداری وغیرہ ضرور موجود تھے۔ جو دوسری قوموں میں بہت کم پائے جاتے تھے۔ ان کے یہ اوصاف حمیدہ خدا کو بہت پسند تھے اور شاید اسی وجہ سے وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے تپتے ہوئے صحرا میں سادہ زندگی

Marfat.com

گزارنے والے ان سادہ لوحوں پر نزول قرآن اور بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کرم کی بارش کردی۔ اس سے ان بے چاروں کی زندگی کا چمن کھل اٹھا اور بہت جلد انہیں ایک خدا ترس اور باوقار قوم کا قابل رشک درجہ حاصل ہوگیا۔

وہ نوازنے پہ آئے تو نواز دے زمانہ
وہ کریم ہی جو ٹھہرا تو کرم کا کیا ٹھکانہ

اس کے بعد آیات نمبر۲ اور ۳ کے تحت جو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ وہ یہود ونصاریٰ دونوں ہی پر چسپاں ہوتی ہیں۔

جہاں تک آیت نمبر۴ کا تعلق ہے، اس میں نفرتی چیزوں کے شوربے اور سور کے گوشت کھانے کا ذکر آیا ہے۔ یہ بات تو بلاشبہ عیسائیوں پر صادق آتی ہے اس لیے کہ ان کے ہاں خنزیر کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ یہود ونصاریٰ کی ان مذکورہ بداعمالیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رد کر کے ہمیشہ کے لئے ان کو نبوت کی نعمت عظمیٰ سے محروم کردیا اور دوسری طرف سادہ لوح عربوں کو اس دولت بے بہا سے نواز کر ان کو دونوں جہاں میں سربلند کردیا۔ اس طرح مذکورہ بالا پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

❁❁❁

Marfat.com

کتاب یرمیاہ کی بشارت

کتاب یرمیاہ (Jeremiah) میں بھی ایک پیشین گوئی منقول ہے، جس کا تعلق فتح مکہ اور جنگ حنین نیز اس میں حاصل ہونے والے مال غنیمت سے ہے۔ بشارت کی اصل عبارت یہ ہے ''خداوند یوں فرماتا ہے کہ اٹھو قیدار پر چڑھائی کرو اور اہل مشرق کو ہلاک کرو۔ وہ ان کے خیموں اور گلیوں کو لے لیں گے۔ ان کے پردوں اور برتنوں اور اونٹوں کو چھین لے جائیں گے۔'' (باب ۴۹: ۲۸، ۲۹ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزند دل بند تھے، جن کی اولاد مکہ اور اس کے اطراف میں آباد تھی اور قریش کے نام سے جانی جاتی تھی۔ لہذا قیدار پر چڑھائی سے مراد مکے پر چڑھائی ہے، جو قریش (یعنی فرزندان قیدار) کا مسکن تھا۔ جہاں تک اہل مشرق کا تعلق ہے، اس کا اطلاق اہل حنین وطائف پر ہوتا ہے، کیوں کہ حنین مکہ کے مشرق میں واقع ہے۔ آخر کے دو فقروں میں جنگ حنین میں حاصل ہونے والے بھاری مال غنیمت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۱۲۸، حاشیہ نمبر ۱)۔

❁❁❁

Marfat.com

کتاب دانیال کی بشارت

کتاب دانیال (Daniel) میں بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی موجود ہے اور وہ ذیل میں پس منظر کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

بابل کے بادشاہ بخت نصر (Nebuchadnezzar)، نے ایک خواب دیکھا اور پھر اسے بھول گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کے ذریعے خواب اور اس کی تعبیر سے آگاہ کر دیا، جسے آپ نے بادشاہ مذکور کے حضور اس طرح بیان فرمایا۔

''اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا۔ اس کا سینہ اور اس کے بازو چاندی کے۔ اس کا شکم اور اس کی رانیں چاندی کی تھیں۔ اس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پانو کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر کاٹا گیا اور اس مورت کے پانو پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا ان کو اڑا لے گئی جہاں تک کہ ان کا پتا نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔'' وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔

''اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالے کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے۔ اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی، جو تجھ سے چھوٹی ہوگی۔ اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی۔ اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پانو اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں، سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا مگر جیسا تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا

Marfat.com

تھا، اس میں لوہے کی مضبوطی ہوگی اور چوں کہ پانو کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں، اس لیے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی۔ اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے، لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ایسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے۔ اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا، جو تاابد نیست نہ ہوگی اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالے نہ کی جائے گی۔ بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کردے گی۔ اور وہی ابد تک قائم رہے گی۔ جیسا کہ تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا، جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔'' (باب ۲: ۳۱ تا ۴۵ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

مندرجہ بالا مفصل خواب اور اس کی تعبیر کی تشریح مولانا کیرانویؒ نے کچھ اس طرح کی ہے......

''پہلی سلطنت سے مراد (بخت نصر کی بادشاہت ہے اور دوسری سلطنت کا مصداق مادیین (Medes) کی حکومت ہے، جو بلشضر (Belshazzar) بن بخت نصر کے قتل کے بعد مسلط ہوگئے تھے جیسا کہ کتاب مذکورہ کے باب نمبر ۵ (آیت ۳۱) میں صاف مذکور ہے۔ مگر ان کی سلطنت کلدانیوں (Chadenas) (۱۶) کی نسبت کمزور تھی۔ تیسری بادشاہت سے مراد کیانیوں کی حکومت ہے، اس لیے کہ ایران کا بادشاہ خورش (یعنی کیخسرو) حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ۵۳۵ سال قبل بابل (Babylon) پر مسلط ہوگیا تھا۔ چوں کہ کیانیوں کی حکومت بڑی طاقت ور تھی، اس لحاظ سے گویا ان کا تسلط ساری روئے زمین پر تھا۔''

''چوتھی حکومت سے مراد سکندر رومی کی سلطنت ہے'' جو مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ۳۳۰ سال قبل ملک فارس پر قابض ہوگیا اور قوت، طاقت کے لحاظ سے لوہے کے مانند تھا۔ کندر نے فارس کے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چند بادشاہوں کو بانٹ دی، جس کی وجہ سے یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک برابر کمزور رہی۔ البتہ، ساسانیوں کے دور میں پھر مضبوط اور طاقتور ہوگئی۔ پھر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہوتی رہی یہاں تک کہ عہد نوشیروان میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری اور باطنی بادشاہت اور حکومت عطا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین قلیل مدت میں مشرق و مغرب پر چھا گئے۔ اسی طرح فارس کے ان تمام علاقوں پر بھی قابض ہوگئے۔ جن سے اس خواب اور اس کی تعبیر کا تعلق ہے۔'' (ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۰۱، ۳۰۲)۔

Marfat.com

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''یہی ابدی بادشاہت ہے، جو کبھی نہ ٹلے گی اور یہ حکومت کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہوگی۔ اس کا کمال وعروج...... امام مہدی رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں ہوگا، مگر اس سے قبل کچھ عرصے کے لئے کمزوری اور ضعف ضرور واقع ہوگا۔ چنانچہ اس زمانے میں اس کی بعض علامات کا مشاہدہ ہو رہا ہے (اکیسویں صدی عیسوی میں تو اور بھی زیادہ ہو رہا ہے۔ راقم)۔ ان کے ظہور پر یہ نقص ختم ہو جائے گا اور دین تمام تر اللہ کے لئے ہو کر رہے گا۔ لہذا یہی وہ پتھر ہے جو پہاڑ سے جدا ہو گیا تھا اور جس نے ٹھیکرے، لوہے، تانبے، چاندی، سونے کو پیس ڈالا تھا اور خود بڑا بھاری پہاڑ بن گیا تھا اور تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ اس کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔''
(نفس مصدر، ص۳۰۲)۔

مولانا کیرانویؒ کی تشریح وتوضیح انتہائی واضح، جامع اور مبنی بر حقیقت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اوپر اختصار کے ساتھ جو کچھ بیان ہوا، اس کی تفصیل بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔ لیکن چوں کہ یہ امر باعث تطویل ہوگا، اس لیے اختصار ہی پر اکتفا کرنا انسب ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

کتابِ حبقّوق کی بشارت

کتاب حبقوق (Habakkuk) میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئی منقول ہے۔ درج ذیل آیات میں جو باتیں مذکور ہوئی ہیں، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کی ذات گرامی پر صادق نہیں آتیں۔

''خدا تیمان (۱۷) سے آیا قدوس کوہ فاران (۱۸) سے۔ اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد (۱۹) سے معمور ہوگئی۔'' (۳:۳ ماخوذ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

''وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گئی اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں۔ ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہو گئے۔ قدیم ٹیلے جھک گئے اس کی راہیں ازلی ہیں۔'' (۳:۲ ایضاً)۔

''ملک مدیان کے پردے ہل گئے۔'' (۳:۷، ایضاً)۔

قاضی سلیمان منصور پوریؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے مطابق، عبارت ''خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے'' میں ہجرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مدینہ کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ (قدیم نام یثرب) کے جنوب سے شہر میں داخل ہوئے تھے (دیکھیے رحمتہ اللعالمین، ج ۳، ص ۹۴ اور النبی الخاتم، ص ۲۴)۔ اس کے برعکس، سید سلیمان ندویؒ کے انداز نگارش سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ وہ تیمان اور بالخصوص فاران کو خورشید نبوت کے تین مطلعوں میں سے ایک مطلع تصور کرتے ہیں اور ''تیمان سے اور کوہ فاران سے آئے'' سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے سرفراز ہونا مراد لیتے ہیں (دیکھیے سیرت النبی ج ۳، ص ۸۲۴)۔ دوسرے دو مطلع سینا اور سعیر ہیں، جن کی بحث کتاب استثنا، باب ۳۳، آیت ۲ کے تحت آ چکی ہے۔

''اس کا جلال آسمان پر چھا گیا یا اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا (۲۰)'' میں معراج آسمانی کی جانب تلمیح ہے۔ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبع سماوات، سدرۃ المنتہیٰ اور ملاءِ اعلیٰ کی سیر کی اور رویت باری سے سرفراز ہوئے۔ اس واقع کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل اور سورہ النجم نیز احادیث کی کتابوں میں ملاحظہ کی سکتی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے بھی قصص القرآن جلد چہارم میں اس عظیم اور روح پرور واقعے پر مفصل بحث کی ہے۔ (ملاحظہ کیجیے ص ۳۳۲ تا ۳۵۶)۔

Marfat.com

''زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت ومحمودیت کی جانب اشارہ ہے۔ جس کی حمد اور تعریف خود خدائے ذوالجلال کریں، اس کی شان عالی اور قدر ومنزلت کا کیا پوچھنا۔ چنانچہ زمین کا گوشہ گوشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد اور قصیدہ خوانی سے معمور ہے۔ اس معمورے کا کون سا ایسا خطہ ہے جہاں رب کائنات کی تسبیح خوانی کے ساتھ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گن نہیں گایا جاتا۔ یہ بات کیا کم اہم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی محمد اور احمد کا مادہ ہی لفظ ''حمد'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حمد ہیں۔

آیت نمبر ۶ کے تحت جو کچھ مذکور ہے، اس کی تفصیل تاریخ اسلام کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہاں اس کا مفصل ذکر باعث طوالت ہوگا۔

آیت نمبر ۷ میں مدیان (Midian) مذکور ہے۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق کے مطابق، مدیانی اور مدیان بائبل کی زبان میں مکہ والوں کو کہتے ہیں (دیکھیے القول الصحیح بہ حوالہ النبی الخاتم ص ۳۹، حاشیہ نمبر ۱)۔ پردے ہٹ جانے سے سرزمین عرب میں بالعموم اور مکے میں بالخصوص انقلاب رونما ہو جانا مراد ہے۔

الغرض یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ مسطورہ بالا بشارت کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی گرامی سے ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

کتاب حَجّی کی بشارتیں

کتاب حَجّی (Haggai) میں بھی ایک ایسی بشارت موجود ہے، جس میں حَجّی نبی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث مبارکہ کی خوشخبری ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

☆''(میں) سب قوموں کو ہلا دوں گا اور حمد سب قوموں کا آوے گا، اور اس گھر کو بزرگی سے بھر دوں گا، کہا خداوند خلائق نے'' (۲:۷ بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۵، خطبات میں باب ۱۱ آیت ۷ منقول ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی تصحیح کردی گئی ہے)۔

الخطبات الاحمدیہ ہی میں اس کا عربی ترجمہ اس طرح دیا گیا ہے۔

''وازلزل الامم کلّھا وحمد جمعی الامم تجی واملأ ھذا البیت مجداً قال رب الخلائق'' (دیکھیے ص ۳۸۵)۔

سرسید احمد نے خطبات میں عبرانی ترجے کی عبارت بھی نقل کی ہے، جس میں ''حِـمْـدُث مذکور ہے۔ سرسید فرماتے ہیں کہ لفظ ''حمدث یا حمد'' سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارت نکلتی ہے۔ ریورنڈ مسٹر پارک ہرسٹ ''حمد'' کے مادہ کی نسبت کہتے ہیں کہ ہر قسم کی پاک چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔'' اسی مادہ سے محمد اور احمد اور محمود ہمارے پیغمبر کے نام مبارک نکلے ہیں اور اس بشارت میں لفظ ''حمدث'' کے کہنے سے صاف اشارہ ہے کہ جس شخص کے مبعوث ہونے کی اس میں بشارت ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اس کا نام ''حمد'' کے مادہ سے مشتق ہے وہ کوئی اور نہیں سوائے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔'' (ایضاً)۔

مسیحی علماء اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔ سرسید نے اس کے دو وجوہ بیان فرمائے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

''ایک تو یہ کہ حضرت متی نے جس قدر بشارتیں عہد عتیق (Old testament) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہیں ان سب کو بالتفصیل اپنی انجیل میں لکھا ہے، کیوں کہ وہ انجیل عبرانی زبان میں یہودیوں کی ہدایت کے لئے لکھی گئی تھی اور اسی سبب سے تمام بشارتیں جو توریت و زبور و صحف انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تھیں ان سب کو حضرت متی نے لکھا تھا۔ مگر اس بشارت کا ذکر

Marfat.com

حضرت متی نے نہیں کیا۔ اگر یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہوتی تو، ضرور حضرت متی اس کا ذکر کرتے۔" (ایضاً)۔

"دوسرے یہ کہ حمد کے مادے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کسی طرح اشارہ نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ اشارہ خاص اسی شخص کے نام کا ہے، جس کا نام اسی مادے سے مشتق ہوا ہے۔ اور اس لیے بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بشارت ہے جس کی نسبت (خود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی کہ "یاتی من بعدی اسمہ احمد" (ایضاً ص ۴۸۵، ۳۸۶)۔

سرسید مزید فرماتے ہیں کہ گاڈفری ہیگنس (کذا) نے بھی اپنی کتاب میں یہ استدلال قول ریورنڈ پارک ہرسٹ صاحب...... لکھا ہے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہوسکتی، بلکہ اس شخص کی ہے جس کے آنے کی بشارت خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔" (ایضاً ص ۳۸۶)۔

چوں کہ لفظ "حمدث یا حمد" سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ کی تائید ہوتی تھی اس لیے بائبل کے بعد کے ترجموں میں سے اس لفظ کو خارج کر کے اس کی جگہ دوسرے الفاظ داخل کر دیئے گئے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں اس کے بجائے مشتھیٰ وارد ہوا ہے اور پوری عبارت ان الفاظ پر مشتمل ہے "یاتی مشتھی کل الامم." انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اسی کا ہم معنی لفظ "Desire" آیا ہے اور پورا فقرہ اس طرح ہے "The desire of all nations shall come" اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں مرغوب چیزیں منقول ہیں اور پورا فقرہ کچھ یوں ہے "ان کی (قوموں کی) مرغوب چیزیں آئیں گی۔" ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حق کو چھپانے کے لئے کیا گیا ہے مگر حق حق ہے اور اس کی پردہ پوشی از حد بلکہ ناممکن ہے۔

منقولہ بالا بشارت میں یہ فقرہ بھی ہے "اور میں اس گھر کو بزرگی سے بھر دوں گا۔" یہ فقرہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء میں اس طرح منقول ہے "اور میں اس گھر کو جلال سے معمور کروں گا۔" انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں اس کا ترجمہ یوں درج ہے۔ "I will fill this house with glory" اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء کی عبارت سرسید کی نقل کردہ عبارت کے مطابق ہے۔ یعنی "واملأ هذا البيت مجداً" اس عبارت میں جس گھر کے جلال و بزرگی اور مجد کی بات کہی گئی ہے اس سے خانہ کعبہ مراد ہے۔

☆ کتاب حجّی میں ایک دوسری پیشین گوئی ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے "اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر سے زیادہ ہوگی، رب الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان میں سلامتی (۲۱) بخشوں گا۔ رب

Marfat.com

الافواج فرماتا ہے۔" (۹:۲ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

اس بشارت میں "پچھلے گھر" سے مراد خانہ کعبہ اور مسجد حرام ہے، جسے قبلہ آخر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جہاں تک "پہلے گھر" کا تعلق ہے، اس سے قبلہ اول یعنی بیت المقدس مقصود ہے۔ اس میں اس حقیقت کی نشاندہی پیشین گوئی کی شکل میں کی گئی ہے کہ قبلہ آخر (کعبے) کی رونق قبلہ اول (بیت المقدس) سے زیادہ ہوگی یعنی اول الذکر درجے میں ثانی الذکر سے برتر ہوگا۔ اس کی برتری کے دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جد اعلیٰ، حضرت ابراہیم علیہ السلام، کا تعمیر کردہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا تعلق نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے ہے، جنہوں نے اپنے سجدوں سے اس کو آباد کیا ہے۔

فقرہ دوم میں بھی "مکان" سے مراد بیت اللہ شریف ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ نمبر ۲۰ کے تحت کی جا چکی ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

کتاب ملاکی کی بشارت

کتاب ملاکی عہد نامہ عتیق کی سب سے آخری کتاب ہے۔اس میں بھی خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے متعلق پیشین گوئی موجود ہے۔پیشین گوئی پر مشتمل آیات وعبارات کچھ یوں ہیں۔

''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو، آئے گا۔رب الافواج فرماتا ہے پر اس کے آنے کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے۔'' (۳:۱،۲ ماخوذ از اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)۔

یہ عبارت فقرہ اول وآخر کے بغیر رحمتہ للعالمین میں اس طرح منقول ہے ''وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ہاں، وہ عہد کا رسول جس سے خوش ہو، وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا۔دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔رب الافواج فرماتا ہے۔پر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا؟'' (دیکھیے ج ۱،ص ۱۱۷،حاشیہ نمبر ۲)۔

النبی الخاتم میں بھی یہ عبارت اسی طرح منقول ہے۔البتہ اس میں ذرا آگے فقرہ آخر بھی درج ہے۔(دیکھیے ص ۲۵)۔

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں اس کا ترجمہ بہ ایں الفاظ مندرج ہے۔

''هأنذا ارسل ملاكى فيهى الطريق امام وياتى بغتة الى هيكله السيد الذى تطلبونه وملاك العهد الذى تسرون به هوذا ياتى قال رب الجنود، ومن يحتمل يوم مجيئه ومن يثبت عند ظهوره لانه مثل نار الممحص ومثل اشنان القصار.
(۳:۱،۲)۔

انگریزی ترجمہ (۱۹۷۹ء) میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"Behold, I will send my messenger, and he shall

Marfat.com

prepare the way before me: and the Lord, whom ye seek, shall suddently come to his temple, even the messenger of the covenant, whom ye delight in: behold, he shall com, slaith the Lord of hosts. But who may abide the day of his coming? and who shall stand when he appeareth? for he is like a refiner`s fire, and like fullers` soap." (3:1,2)

اس میں رسول سے مراد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، کیونکہ یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب قرآن کریم میں بھی کئی جگہ وارد ہوا ہے (مثال کے طور پر دیکھیے ۳۳:۲۱، ۴۸:۲۹) فقرہ ''وہ میرے آگے راہ درست کرے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ رسول مذکور میری تائید وحمایت کے زیر سایہ لوگوں کی اصلاح کرے گا اور گم کردہ راہ کو راہ راست پر لائے گا۔

''اپنی ہیکل'' سے مراد خانہ کعبہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے تعلق خاطر تھا اور (بہ حکم الٰہی آپؐ ہی نے اس کو قبلہ قرار دیا تھا۔ ''خداوند جس کے تم طالب ہو یا جس کی تلاش میں تم ہو'' میں اس رسول موعود ومنتظر کی طرف اشارہ ہے، جس کی آمد کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا اور جس کی علامات انبیائے سلف نے بیان کی تھیں یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ''ناگہاں آوے گا یا آموجود ہوگا'' میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کعبے میں اچانک تشریف آوری کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ فتح مکہ کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی دس ہزار فوج کے ساتھ اس طرح اچانک مکہ پہنچے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا علم ابوسفیان اور اہل مکہ کو اس وقت ہوا جب کہ رات کو کھانا پکانے کے لئے چولہے جلائے گئے۔ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے عین مطابق ہوا، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''اللھم اضرب علی اذانھم حتیٰ نبغتھم بغتة '' (دیکھیے النبی الخاتم، ص ۲۵، حاشیہ ۱۲ اور رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۱۱۸، حاشیہ)۔

''اس کے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟'' میں اس حقیقت کی جانب تلمیح ہے کہ اہل مکہ اس رسول اور اس کے دس ہزار اصحاب کرامؓ کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ علاوہ ازیں، اس میں آنے والے رسول کو عہد کا رسول (یعنی میثاق کا نبی) قرار دیا گیا

Marfat.com

ہے جو قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے عین مطابق ہے۔

واذ أخذالله میثاق النبین لمآ اتیتکم من کتٰب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال أقررتم وأخذتم علی ذالکم اصری قالو أقررنا قال فاشهدوا وأنا معکم من الشٰهدین. (۸۱:۳)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کچھ کتاب اور حکمت عطا کروں گا اور پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے، جو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں، تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (پھر) اللہ نے فرمایا کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو اور اس کو میرا عہد سمجھ کر قبول کرتے ہو، تو انہوں نے کہا کہ بے شک ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔'' (ترجمہ قصص القران، ج ۴، ص ۲۱۷ سے ماخوذ ہے)۔

''میثاق النبین'' کی صراحت کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں کہ اس آیت ''میثاق'' میں اس عہد و میثاق کا تذکرہ ہے، جو ازل میں تمام انبیاء و رسل (علیہم السلام) سے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا۔ خطاب اگرچہ براہ راست انبیاء علیہم السلام سے ہے، مگر مقصود و مراد میں ان کی امتیں بھی شامل ہیں، کیونکہ عمومی طور پر ان ہی کے ذریعے وفائے عہد کا مظاہرہ ہونے والا تھا۔'' (ایضاً، ص ۲۱۷، ۲۱۸)۔

چنانچہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہ اسی ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا۔

سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرت النبی میں زیر بحث بشارت کو نقل کیا ہے، مگر اس میں ''عہد کا رسول'' کے بجائے ''ختنے کا رسول'' مذکور ہے (دیکھیے ج ۳، ص ۸۲۲)۔ اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے سید صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''توراۃ کی زبان میں ''ختنہ'' (Circumcision) نسل ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی ''عہد و میثاق'' کی مہر کا نام ہے۔ توراۃ میں جہاں ختنے کا حکم ہے، مذکور ہے ''اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو، اور یہ اس عہد کا نشان ہے، جو میرے اور تمہارے درمیان ہے''۔ (پیدائش ۱۷: ۱۰، ۱۱)۔ اس بناء پر ''ختنہ'' کے بجائے (بعض) مترجمین نے ''عہد'' کا

Marfat.com

لفظ رکھ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب مولد کے زمانے میں اس پیشین گوئی کے مطابق اس "رسول الختان" کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم (ہرقل) اسی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا۔" (سیرت النبی ج ۳ ص ۸۲۳۔ نیز دیکھیے ص ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۶)۔

الغرض، پیشین گوئی میں خواہ "عہد کا رسول" ہو یا "ختنے کا رسول" دونوں صورتوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ "عہد کا رسول" کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔ جہاں تک "رسول الختان" کا تعلق ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ ایک بار منجم قیصر روم، ہرقل، نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ گزشتہ رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملک الختان" (ختنے کا بادشاہ یا فرشتہ) (۲۲) ظاہر ہو گیا۔ ذرا تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے۔ درباریوں نے جواباً عرض کیا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اسی اثناء میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔ قیصر نے کہا دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتی ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا، تو اس نے کہا "ہاں یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ ہے۔" (دیکھیے صحیح البخاری، ج ۱، باب کیف کان بدا الوحی، ص ۵ اور سیرت النبی، ج ۳ ص ۸۲۱، ۸۲۲)۔

بشارت کے آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ جو جلنے کے لئے تھا وہ جل گیا اور جو ڈھلنے کے لئے تھا وہ ڈھل گیا اور جو چمکنے اور صاف ہونے کے لئے تھا وہ چمکا اور ستھرا ہوا اور باوجود چھپانے کے اب تک چمک رہا ہے۔ (دیکھیے النبی الخاتم ص ۲۵)۔

خلاصہ بحث یہ کہ متذکرہ بالا نظائر و شواہد کی بناء پر اس بشارت کے مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کا تعلق ہے، یہ بشارت ان پر صادق نہیں آتی اور اس کے اسباب و وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) متی (Mathew) نے حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق پیشین گوئیوں کو انجیل میں جمع کر دیا ہے، مگر انہوں نے اس پیشین گوئی کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت نہیں بتایا۔

(۲) قدیم مصنفین میں سے کسی اور فاضل عیسائی نے بھی اسے مسیح علیہ السلام کی بابت نہیں کہا۔

(۳) حضرت مسیح علیہ السلام کو سب عیسائی ابن اللہ (نعوذ باللہ) کہتے ہیں نہ کہ رسول۔

(۴) ہیکل (عبادت گاہ) میں دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے مغلوب نہیں ہوئے بلکہ دشمنوں نے الٹے حضرت مسیح علیہ السلام کو مغلوب کر لیا۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین ج ۱ ص ۱۱۷، حاشیہ نمبر ۲)

❁❁❁

Marfat.com

باب دوم

انجیلِ برناباس کی بشارتیں

انجیل برناباس (The Gospel of Barnabas) (۲۳) جسے اناجیل اربعہ پر تقدم زمانی حاصل ہے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

اس بائبل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو بشارتیں منقول ہیں ان میں کہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسماعیلی اور جنوب سے آنے والا بتایا گیا ہے اور کہیں انبیائے کرام اور مقدس ہستیوں کا نور (Splendour)، کہیں رسول اللہ (Messenger of god)، کہیں مسیح اور وہ نبی، کہیں قابل تعریف (Admirable) نیز کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا گیا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی شہادت بھی دی گئی ہے۔ اس نوعیت کی بعض بشارتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''پر خدا کا رسول، جب وہ آئے گا، تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لئے، جو اس کا دین قبول کریں گی، نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی مٹا دے گا، یہاں تک کہ وہ شیطان کو مبہوت کر دے گا، کیوں کہ خدا نے ابرہام علیہ السلام سے یہی وعدہ کیا تھا کہ ''دیکھ، تیری نسل میں میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا، اور جس طرح ابرہام، تو نے بت پاش پاش کیے، اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔''

(برناباس کی انجیل، اردو ترجمہ از آسی ضیائی، دہلی ۱۹۸۲ء باب ۴۳، ص ۷۹)۔

(ب) باب ۴۴ ہی کے آخر میں مزید فرماتے ہیں ''یقین کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ وعدہ اسماعیل علیہ السلام میں تھا، نہ کہ اضحاق علیہ السلام میں۔'' (ص ۸۰)۔

(ج) باب ۹۶ کے تحت درج شدہ بشارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوب یعنی سرزمین عرب سے جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے، آنے والا بتایا گیا ہے۔ اس کی اصل عبارت کچھ اس طرح ہے

Marfat.com

''جب خدا مجھے دنیا سے اٹھا لے گا، تو ابلیس ناپرہیز گاروں کو یہ یقین دلا کر کہ میں خدا کا بیٹا ہوں پھر یہ ملعون فتنہ اٹھائے گا، جس سے میرا کلام اور میری تعلیم ناپاک ہو جائے گی، یہاں تک کہ بہ مشکل تیس ایک صاحب ایمان رہ جائیں گے، جس پر خدا دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لئے اس نے سب چیزیں بنائی ہیں، جو دکھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں سمیت برباد کر دے گا، جو ابلیس سے وہ غلبہ چھین لے گا جو اسے انسانوں پر ہے، وہ اپنے ساتھ خدا کی رحمت ان کی نجات کے لئے لائے گا، جو اس پر ایمان لائیں گے۔ اور مبارک ہے وہ جو اس کے کلام پر ایمان لائے گا۔ (برناباس کی انجیل، باب ۹۳، ص ۱۴۲)۔

(د) باب ۱۷ کے تحت درج شدہ بشارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیائے کرام اور مقدس ہستیوں کا سرتاج، نور اور رونق نیز خدا کا رسول قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی باتوں کو، جو نبیوں نے کیں، واضح کرے گا، کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔'' ایضاً، باب ۱۷، ص ۴۲)۔

(ہ) باب ۷۲ میں اپنے ان حواریوں کو جو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جہاں سے تشریف لے جانے کی خبر سن کر گریہ کناں تھے، تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''تمہارا دل نہ گھبرائے، نہ تم خوفزدہ ہو، کیونکہ میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا، بلکہ خدا ہمارا خالق جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں بچائے گا۔ رہا میں، تو میں اب دنیا میں خدا کے رسول کے لئے راہ تیار کرنے آیا ہوں، جو دنیا کے لئے نجات لائے گا۔ پر خبردار دھوکا نہ کھانا، کیوں کہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے، جو میرا کلام لیں گے اور میری انجیل کو ناپاک کریں گے۔'' (ایضاً، باب ۷۲، ص ۱۱۲)۔

اس کے بعد اندریاس (Andrew) نے یوں عرض کی ''استاد، ہمیں کوئی نشان بتا کہ ہم اسے جان لیں'' (ایضاً) اندریاس کی اس درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''وہ تمہارے وقت میں نہ آئے گا، بلکہ تمہارے چند سال بعد آئے گا، جب میری انجیل کالعدم کر دی جائے گی، یہاں تک کہ بہ مشکل تیس ایماندار رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم کرے گا۔ سو وہ اپنا رسول بھیجے گا، جس کے سر کے اوپر ایک سفید بادل چھایا رہے گا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا، اور خدا اسی کے ذریعے دنیا پر ظاہر ہوگا۔ وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا۔ اور زمین پر بت پرستی کو نیست کرے گا۔ اور اس سے مجھے مسرت ہے، کیوں کہ اسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی، اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا اور وہ ان سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے۔''

Marfat.com

(ایضاً، ص ۱۱۲، ۱۱۳)۔

(و) باب ۸۲ کے ذیل میں ایک عورت سے مخاطب ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں......"خدا کا عہد یروشلم میں سلیمان علیہ السلام کے مقدس میں ہوا تھا، نہ کہیں اور۔ پر میرا یقین کرو، ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں دے گا۔ اور ہر جگہ سچائی میں اس کی عبادت کرنا ممکن ہوگا اور خدا رحمت سے سچی عبادت ہر جگہ پر قبول فرمائے گا۔" (ایضاً، باب ۸۲، ص ۱۲۴)۔

اس میں بھی یروشلم کے علاوہ ایک دوسرے شہر کا ذکر آیا ہے۔ اشارہ مکہ ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

(ح) ذرا آگے فرماتے ہیں "بے شک میں اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مگر میرے بعد ساری دنیا کی طرف خدا کا بھیجا ہوا مسیح آئے گا، جس کے لئے خدا نے دنیا بنائی ہے۔ اور تب ساری دنیا میں خدا کی عبادت ہوگی اور رحمت ملے گی۔" (ایضاً، ص ۱۲۴، ۱۲۵)

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو تو فرستادہ برائے بنی اسرائیل بتایا ہے، مگر اپنے بعد میں آنے والے نبی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسیح قرار دیا ہے اور ان کے تمام دنای کی طرف بھیجے جانے کی بشارت دی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مندرجہ ذیل بشارت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ "مسیح" کا استعمال کیا ہے۔ جب ان سے لادیوں اور فریسیوں نے کہا "اگر تو مسیح نہیں نہ ایلیا، نہ کوئی اور نبی، تو تو نئے عقیدے کیوں سکھاتا ہے اور مسیح سے زیادہ اپنا چرچا کراتا ہے۔" (ایضاً: باب ۴۲، ص ۷۷)۔

تو حضرت ابن مریم علیہما السلام نے جواب دیا:

"جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے کراتا ہے ان سے ظاہر ہے کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کی مرضی ہے، نہ میں فی الواقع اپنے تئیں وہ کہلواتا ہوں جس کا تم ذکر کرتے ہو، کیوں کہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کے بند یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں جسے تم "مسیح" کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور میرے بعد آئے گا، اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی۔" (ایضاً)۔

عبارت بالا سے جن اہم امور پر روشنی پڑتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابن مریم علیہما السلام اس بات کے انکاری تھے کہ آپؑ وہ مخصوص مسیح ہیں، جن کا یہود کو انتظار ہے۔ دوسرے یہ کہ یہود مسیح علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کے علاوہ، ایک اور نبی کی تشریف آوری کی بات جوڑ رہے تھے۔ نیز یہ کہ وہ نبی یا مخصوص مسیح، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے گا۔ جس مخصوص مسیح کی آمد کی جانب

Marfat.com

اس میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کے متعلق تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ انجیل برناباس ہی میں نہیں، بلکہ انجیل لوقا (Luke) میں بھی یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن مریم علیہما السلام نے اپنے حواریوں کو اس بات سے منع فرمایا تھا کہ وہ آپؑ کو مسیح کہیں (دیکھیں ۹: ۲۰، ۲۱)۔ اسرائیلی تصور کے مطابق، لفظ مسیح درحقیقت ''مامور من اللہ'' کا ہم معنی تھا اور اسی معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا تھا۔ (دیکھیے سیرت سرور عالم، جلد اول، ص ۱۵۳)۔

ایک دوسری جگہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو ''مسیح'' ہونے سے انکار کیا ہے۔ جب کاہن (Priest) نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں یہ تحریر ہے کہ ہمارا خدا ہماری طرف ''مسیح'' مبعوث کرے گا...... تو کیا آپؑ خدا کے وہی مسیح ہیں، جس کے ہم منتظر ہیں؟ اس کے جواب میں یسوعؑ نے فرمایا ''یہ درست ہے کہ خدا نے ایسا وعدہ کیا ہے، لیکن حقیقتاً میں وہ نہیں ہوں، کیوں کہ اگرچہ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے عمل میں آئی ہے، مگر وہ میرے بعد آئے گا......'' پھر فرماتے ہیں ...... میں وہ مسیح نہیں ہوں، جس کی دنیا کی تمام قومیں منتظر ہیں...... اور جس کا وعدہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان الفاظ میں کیا کہ ''تیری نسل کے ذریعے میں دنیا کی تمام قوموں کو برکت دوں گا'' (دیکھیے باب ۹۶)۔ آگے چل کر اس مسیح یا رسول کے جنوب (مکہ) کی جانب سے آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جس کا اطلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے علاوہ کسی اور پر نہیں ہوسکتا۔ اس کا حوالہ اوپر بھی گزر چکا ہے۔

اس مسیح یا رسول اللہ کی جو صفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں ''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق (Splendour) ہے، جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی، کیوں کہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت (Wisdom) اور طاقت (Might)، خشیت اور محبت، حزم اور ورع (Temperance) کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی (Charity) اور رحمت، عدل اور تقویٰ (Piety)، شرافت (Gentleness) اور صبر (Patience) کی روح سے مزین ہے، جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے، جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے...... یقین جانو، میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے، جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے۔ اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے ان کو نبوت دی اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکنیت سے بھر گئی یہ

Marfat.com

کہتے ہوئے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تمہارے ساتھ ہو، اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنا دے، کیوں کہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔'' (سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۹۔ نیز برناباس کی انجیل، باب ۴۴، ص ۸۱ اور The Gospel of Barnabas باب ۴۴، ص ۵۸، ۵۹)۔

اس عبارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایسے اوصاف بیان ہوئے ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس متصف ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کا جزو لاینفک ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم بھی استعمال ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک صرف اسی عبارت میں نہیں، بلکہ دیگر ابواب کی عبارتوں میں بھی وارد ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(ح) سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں؟ تو حضرت یسوع علیہ السلام نے جواباً فرمایا ''اس مسیح کا نام قابل تعریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کیونکہ خود خدا نے اس کا نام یہ رکھا جب اس نے اس کی روح پیدا کی اور اسے ملکوتی شان میں رکھا۔ خدا نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انتظار کر، کیوں کہ میں تیری خاطر بہشت، دنیا اور بڑی تعداد میں مخلوق پیدا کیا چاہتا ہوں، جن کو میں تجھے تحفے میں دیتا ہوں، یہاں تک کہ جو مجھے مبارک کہے گا مبارک ہوگا اور جو تجھے کوسے گا لعنتی ہوگا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا، تو اپنا رسول نجات بنا کر بھیجوں گا، اور تیرا کلام سچا ہوگا، یہاں تک کہ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، پر تیرا دین نہ ٹلے گا، سو اس کا پاک نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔'' (ایضاً، باب ۹۷، ص ۱۴۳، ۱۴۴)۔

تب بھیڑ نے اپنی آواز بلند کر کے کہا ''اے خدا! ہمیں اپنا رسول بھیج، اے محمد، دنیا کی نجات کے لئے آ۔'' (ایضاً، ص ۱۴۴۔ نیز دیکھیے انگریزی ترجمہ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۲۴)۔

درج ذیل طویل عبارت میں پہلے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انتہائی واشگاف الفاظ میں اپنی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ (عبداللہ) قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آں جنابؑ نے اپنے شاگرد (یہوداہ اسکریوتی) کے ذریعے ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچے جانے اور اس پاداش میں اس کے قتل کیے جانے نیز اپنے زمین سے اوپر اٹھا لیے جانے کی پیشین گوئی بھی کی ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لے کر اور ان کو خدا کا مقدس رسول قرار دے کر ان کی آمد کی خوشخبری دی ہے۔ اصل عبارت کچھ اس طرح ہے۔

Marfat.com

''یقین جان، برناباس، کہ جتنا رویا چاہئے میں نہیں روسکتا، کیوں کہ اگر لوگ مجھے خدا نہ کہتے، تو میں خدا کو یہاں دیکھ لیتا جیسے وہ بہشت میں دیکھا جائے گا، اور ایسا سلامت ہوتا کہ عدالت کے دن سے بے خوف ہوتا۔ پر خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، کیونکہ میں نے اپنے تئیں ایک غریب بندے سے بڑھ کر ہونے کا کبھی خیال بھی نہ کیا، بلکہ میں تجھے بتاتا ہوں کہ اگر میں خدا نہ کہلایا جاتا، تو میں دنیا چھوڑنے پر بہشت میں پہنچا دیا جاتا جب کہ اب وہ وہاں عدالت تک نہ جاؤں گا۔ اب تجھے معلوم ہوا کہ میرا رونا بے جا ہے، اے برناباس، جان لے کہ اس کی بدولت میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں گا اور اپنے ایک شاگرد کے ہاتھوں تیس روپوں کے عوض بیچا جاؤں گا، جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اٹھالے گا اور اس غدار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اسے سمجھے گا کہ میں ہوں، پھر بھی جب وہ بری موت مرے گا، تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ پر جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا مقدس رسول آئے گا، تو یہ بدنامی دور ہوجائے گی، اور خدا یہ کرے گا، کیوں کہ میں نے مسیح کی سچائی کا اقرار کیا ہے، جو مجھے یہ انعام دے گا کہ مجھے زندہ اور بدنامی کی موت سے اجنبی جان لیا جائے گا۔'' (ایضاً، باب ۱۱۲، ص ۱۶۰، ۱۶۱)۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک ''محمد'' وارد ہوا ہے، اس وجہ سے عیسائی علماء انجیل ہذا کو کسی مسلمان کی تخلیق تصنیف تصور کرتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

''...... برناباس کا جو اطالوی ترجمہ اس وقت دنیا میں موجود ہے، اس کے اندر تو حضور ﷺ کا نام بے شک ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا ہے۔ مگر یہ کسی کو بھی نہیں معلوم ہے کہ یہ کتاب کن کن زبانوں سے ترجمہ در ترجمہ ہوتی ہوئی اطالوی زبان میں پہنچی ہے۔ ظاہر ہے اصل انجیل برناباس سریانی میں ہوگی، کیوں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زبان تھی (۲۴)۔ اگر وہ اصل کتاب دستیاب ہوتی، تو دیکھا جاسکتا تھا کہ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کیا لکھا گیا تھا۔ اب جو قیاس کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ ''منحمنا'' استعمال ہوگا (جیسا کہ ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۱۵، سے پتا چلتا ہے۔ راقم)۔ پھر مختلف ترجموں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کردیئے ہوں گے۔ اس کے بعد غالباً کسی مترجم نے یہ دیکھ کر کہ پیشین گوئی میں آنے والے کا جو نام بتایا گیا ہے، وہ بالکل لفظ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم معنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسم گرامی لکھ دیا ہوگا۔ اس لیے صرف اس نام کی تصریح یہ شبہہ پیدا

Marfat.com

کر دینے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کر دی ہے"
(سیرت سرور عالم، ج۱،ص۱۵۲)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک سے متعلق مفصل بحث انجیل یوحنا کی بشارتوں کے ذیل میں آئے گی۔

(ط) ابواب بالا کی عبارتیں تو فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر مشتمل ہیں، انجیل برناباس میں بعض ایسے بھی فقرے ہیں جو کلمہ طیبہ کے ہم معنی ہیں۔ دیکھیے ذیل کی عبارات میں کلمہ طیبہ کا ہو بہو ترجمہ موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تخلیق انسان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں
"تب خدا نے انسان کو روح بخشی، اس وقت تمام فرشتوں نے گایا: "تیرا پاک نام مبارک ہو، اے ہمارے خداوند خدا"۔

"جب آدمؑ اٹھ کھڑا ہوا، تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی کہ "خدا ایک ہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا رسول ہے۔" اس پر آدمؑ نے اپنا منہ کھولا اور کہا "اے خدا میرے کدا، تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تقدیر فرمائی۔ مگر میں منت کرتا ہوں، مجھے بتا، ان الفاظ کا کیا مطلب ہے۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا رسول ہے۔ کیا مجھ سے پہلے اور انسان ہوئے ہیں؟"

"تب خدا نے کہا مرحبا، اے میرے بندے آدمؑ، میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا۔ اور وہ جسے تو نے (مندرج) دیکھا ہے، تیرا بیٹا ہے، جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا، جس کے لئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جو آئے گا، تو دنیا کو نور بخشے گا، جس کی روح میرے ہر چیز پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔"
(ایضاً، باب ۳۹،ص ۷۲، ۷۳)۔

اس ضمن میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:
"خدا نے اپنے تئیں پوشیدہ کیا اور فرشتے میکائیل نے انہیں (آدم اور حوا کو) بہشت سے باہر کر دیا۔ اس پر آدمؑ نے گھوم کر پھاٹک پر لکھا دیکھا "خدا ایک ہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا رسول ہے۔" اس پر اس نے رو کر کہا "خدا کی مرضی ہو۔ اے میرے بیٹے کہ تو جلد آ اور ہمیں مصیبت سے چھٹکارا دے۔" (ایضاً، باب ۴۱،ص ۷۲)۔

(ی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے بعد حضور اکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد بھی انتہائی معقول اور مدلل انداز میں بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ، ارشاد ہوتا ہے۔

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے سچائی نہ مٹادی گئی ہوتی، تو خدا داؤد علیہ السلام، ہمارے باپ، کو دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤد علیہ السلام کی کتاب آلودہ نہ کردی گئی ہوتی، تو خدا مجھے انجیل نہ عطا کرتا، کیوں کہ خداوند ہمارا خدا غیر متبدل ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی پیغام دیتا آیا ہے۔ سو جب خدا کا رسول آئے گا، تو وہ سب پاک کرنے آئے گا جس سے بدکاروں نے میری کتاب ناپاک کردی ہوگی۔'' (ایضاً باب ۱۲۴، ص ۱۷۵)۔

(ک) حضرت ابن مریم علیہما السلام نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی بھی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جب سردار کاہن نے ان سے پوچھا: کیا خدا کے رسول کے بعد آنے کے اور نبی آئیں گے؟ تو آں جناب علیہ السلام نے جواب دیا:

''اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہ آئیں گے۔ مگر جھوٹے نبیوں کی بڑی تعداد آئے گی، جس کا مجھے رنج ہے، کیوں کہ ابلیس انہیں خدا کے سچے انصاف کے مطابق اٹھائے گا، اور وہ اپنے تئیں میری بشارت کے پردے میں چھپائیں گے۔'' (ایضاً باب ۹۷، ص ۱۴۳)۔

اس میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر سلسلہ نبوت کے اختتام پذیر ہوجانے پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ کذابین (Impostors) کے ظہور کی جانب بھی اشارہ کردیا گیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں کم از کم دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ بعض محولہ عبارتوں میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مسیح ہونے کا انکار فرمایا ہے، اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ دوسری یہ کہ آں جناب علیہ السلام نے کس مقصد کے تحت اپنے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح قرار دیا؟

جہاں تک مسیح ہونے سے انکار کا تعلق ہے، بہ قول مولانا مودودیؒ، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بنی اسرائیل جس مسیح کے منتظر تھے، اس کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ وہ تلوار کے زور سے دشمنان حق کو مغلوب کرے گا (یعنی دشمنان حق کے خلاف اس کو تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا)۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مسیح میں نہیں ہوں، بلکہ وہ میرے بعد آنے والا ہے۔ (دیکھیے سیرت سرور عالم، جلد اول، ص ۱۵۲)۔

دوسرے سوال کا تشفی بخش جواب مولانا مودودیؒ ہی کی تحریر کردہ درج ذیل سطور میں تلاش کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''...... لفظ ''مسیح'' درحقیقت ایک اسرائیلی اصطلاح ہے، جسے قرآن مجید میں مخصوص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے صرف اس بناء پر استعمال کیا گیا ہے کہ یہودی ان کے مسیح ہونے کا انکار کرتے تھے۔ ورنہ یہ نہ قرآن کی اصطلاح ہے، نہ قرآن میں کہیں اس کو اسرائیلی اصطلاح کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ مسیح استعمال کیا ہو اور قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو، تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ انجیل برناباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرتی ہے جس سے قرآن انکار کرتا ہے۔ دراصل بنی اسرائیل کے ہاں قدیم طریقہ یہ تھا کہ کسی چیز یا کسی شخص کو جب کسی مقدس مقصد کے لئے مختص کیا جاتا تھا تو اس چیز پر یا اس شخص کے سر پر تیل مل کر اسے متبرک (Consecrate) کردیا جاتا تھا۔ عبرانی زبان میں تیل ملنے کے اس فعل کو مسح کہتے تھے اور جس پر یہ ملا جاتا تھا اسے ''مسیح'' کہا جاتا تھا۔ عبادت گاہ کے ظروف اسی طریقے سے مسح کرکے عبادت کے لئے وقف کیے جاتے تھے۔ کاہنوں (Priests) کو کہانت (Priesthood) کے منصب پر مامور کرتے وقت بھی مسح کیا جاتا تھا...... بعد میں ضروری نہ رہا تھا کہ تیل مل کر ہی کسی کو مامور کیا جائے، بلکہ محض کسی کا مامور من اللہ ہونا ہی ''مسیح'' ہونے کا ہم معنی بن گیا تھا...... پس اسرائیلی تصور کے مطابق، لفظ ''مسیح'' درحقیقت ''مامور من اللہ'' کا ہم معنی تھا اور اسی معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا تھا۔'' (ایضاً ص ۱۵۲، ۱۵۳)۔

امید ہے کہ توضیحات بالا سے اصل مدعا بخوبی واضح ہوگیا ہوگا اور اشکال واشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی ہوگی۔

❁❁❁

Marfat.com

باب سوم

عہد نامۂ جدید کی بشارتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق عہد نامہ قدیم اور انجیل برنا باس میں منقول پیشین گوئیوں کے تجزیے کے بعد، ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی نسبت عہد نامہ جدید (New Testament) کی بشارتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اناجیل اربعہ...... متی، مرقس، لوقا اور یوحنا (۲۵)...... میں واردشدہ بشارات سے تعرض کیا جائے گا۔

انجیل متی کی بشارتیں:

انجیل متی (Mathew) کی متعدد آیات میں جس آسمانی بادشاہی کی بشارت دی گئی ہے، اس کا صحیح مصداق سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت شریفہ ہے۔ آسمانی بادشاہی پر مشتمل آیات حسب ذیل ہیں:

انجیل متی (۳:۱، ۲، ۳) میں کچھ یوں مرقوم ہے ''ان دنوں میں یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا ''توبہ کرو، کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی معرفت یوں ہوا کہ۔

بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے
خداوند کی راہ تیار کرو
اس کے راستے سیدھے بناؤ''
(کتاب مقدس، بنگلور، ۱۹۶۸ء)۔

متی، باب ۴، آیت ۱۲ میں یوں منقول ہے ''جب اس نے سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا، تو گلیل کو روانہ ہوا''۔ اسی باب کی آیت ۱۷ میں ہے ''اس وقت سے یسوعؑ نے منادی کرنا اور کہنا شروع کیا کہ توبہ کر، کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''

پھر اسی باب کی آیت ۲۳ میں یوں تحریر ہے ''اور یسوع تمام گلیوں میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت

Marfat.com

خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا۔"

اسی انجیل کے باب ۶، آیات ۹، ۱۰، ۱۱ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے یہ دعا تلقین فرمائی "پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ! تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔"

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسرائیلی گھرانوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا، تو ان کو دوسری وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ وصیت بھی کی کہ "چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے"۔ (متی، باب ۱۰، آیت ۷)۔

باب ۱۳، آیات ۳۱، ۳۲، میں یوں ارشاد ہوتا ہے "......آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے، جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ اور سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے، مگر جب بڑھتا ہے، تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں"۔ بہ قول مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، جلد سوم، ص ۳۱۰)۔ یہ وہی بشارت ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے سورہ فتح، آیت ۴، میں اس طرح فرمایا:

"ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ واستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع"

"اور ان کی مثال انجیل میں کھیت کی مانند ہے جس نے اپنی بالی نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر موٹا ہوا پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو مسرور کر رہا ہے۔"

آیت ۳۳ میں پھر ارشاد ہوتا ہے "......آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے، جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا اور ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔"

مذکورہ انجیل کے باب ۲۱، آیت ۴۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں "......خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے، دے دی جائے گی۔"

آسمان کی بادشاہی سے متعلق ابتدائی پانچ بشارتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ یوں ارقام فرماتے ہیں...... "معلوم ہوا کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں بزرگوں نے، نیز ان کے حواری...... نے آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سنائی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نے بعینہ انہی الفاظ کے

Marfat.com

ساتھ بشارت دی، جن الفاظ سے یحییٰ علیہ السلام نے خوشخبری دے دی تھی۔ظاہر ہے کہ وہ بادشاہت جس طرح عہد یحییٰ علیہ السلام میں ظاہر نہیں ہوئی، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی حواریوں اور شاگردوں کے دور میں بلکہ ان میں سے ہر ایک اس کی بشارت دیتا گیا اور اس کی خوبیاں بیان کرتا رہا۔اس کی آمد کا متوقع رہا۔اس لیے آسمانی بادشاہت کا مصداق وہ طریقہ نجات ہرگز نہیں ہوسکتا جو شریعت عیسوی کی شکل میں ظاہر ہوا، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواری...... یوں نہ کہتے کہ وہ قریب آنے والا ہے اور ان کو نمازوں میں پڑھنے کے لئے تعلیم دیتے کہ ''اور تیری بادشاہی آئے'' کیوں کہ یہ طریقہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کے دعویٰ کرنے کے بعد ان کے شریعت کی شکل میں ظاہر ہو ہی چکا تھا۔'' (بائبل سے قرآن تک، جلد سوم، باب ششم، ص ۳۰۷)۔

''لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کا مصداق درحقیقت وہ طریقہ نجات ہے، جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ سب حضرات اسی عظیم الشان طریقے کی بشارت دیتے رہے۔خود آسمانی حکومت یا بادشاہت کے الفاظ بھی اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ بادشاہت حقیقتاً سلطنت اور قوت...... کی شکل میں ہوسکتی ہے نہ کہ عاجزی اور کمزوری کی صورت میں۔اسی طرح مخالفین کے ساتھ جنگ وجدل اسی سبب سے ہوگا''۔(ایضاً ص ۳۰۸)۔

''نیز یہ الفاظ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے قوانین ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہوں، اور یہ تمام باتیں صرف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آتی ہیں'' (ایضاً)۔

جہاں تک آسمانی بادشاہت (طریقہ نجات) کو رائی کے دانے سے تشبیہ دینے کا تعلق ہے، اس کی توضیح وتصریح مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

''...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم میں نشو ونما پائی، جو ساری دنیا کے نزدیک کاشت کار اور فلاح تھی۔اس لیے ان میں اکثر لوگ دیہات کے باشندے تھے، علوم اور صنعتوں سے بے بہرہ، جسمانی اور دنیوی تکلفات اور آرائشوں سے آزاد تھے، خصوصاً یہودیوں کے نقطہ نظر سے، اس لیے کہ یہ لوگ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد سے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی قوم میں ہوئی۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ابتداء میں رائی کے دانے کی مانند بہ ظاہر چھوٹی سی شریعت تھی۔مگر وہ اپنے عام اور عالمگیر ہونے کی وجہ سے قلیل مدت میں ترقی پا کر اتنی بڑی ہوگئی کہ تمام مشرق ومغرب کا احاطہ کرلیا، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند اور مطیع نہ ہوئے تھے وہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔'' (بائبل سے قرآن تک، جلد سوم،

Marfat.com

باب ششم، ص ۳۱۰، ۳۱۱)۔

پھر فرماتے ہیں کہ آسمانی بادشاہی کی تشبیہ اسی طرح خمیر کے ساتھ دی گئی، نہ کہ سارے آٹے کے خمیر بننے کے ساتھ۔ (ایضاً ص ۳۰۹)۔

اس کے بعد فقرہ ''خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے مراد بہ ذات خود نجات کا طریقہ ہے۔ تمام عالم میں اس کا پھیلنا اور سارے جہاں پر چھا جانا مراد نہیں (جیسا کہ عیسائی علماء کہتے ہیں)، ورنہ پھر اس کی اشاعت کا ایک قوم سے چھن جانا اور دوسری قوم کو دیا جانا کچھ بھی مطلب نہیں رکھتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس بادشاہت سے مراد وہی بادشاہت ہے، جس کی خبر دانیال علیہ السلام نے اپنی کتاب کے باب ۲ آیات ۳۱ تا ۴۵ میں دے گئے ہیں۔ اس لیے بادشاہت کا اور سلطنت کا صحیح مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سوا اور کوئی نہیں ہے'' (ایضاً)۔

انجیل متی (Mathew) ہی میں ایک قدرے مفصل بشارت کچھ اس طرح ہے۔

''لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول، کیوں کہ آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا کہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے، اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھیرا کر انہیں اپنے تاکستان میں بھیج دیا، پھر پہروں چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بے کار کھڑے دیکھا، اور ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ، جو واجب ہے تم کو دوں گا، پس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دو پہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بے کار کھڑے رہے؟ انہوں نے اس سے کہا، اس لیے کہ ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ ان سے کہا کہ تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ، جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلاؤ اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دے دی۔ جب وہ گھر آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گے تھے، تو ان کو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ایک ہی دینار ملا۔ جب ملا، تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا، جنہوں نے دن بھر بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی، اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا، میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا، کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھیرا تھا؟ جو تیرا ہے اٹھا لے اور چلا جا، میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں،

Marfat.com

اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں گا، کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہوں؟ اس طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔'' (باب ۱۹، آیت ۳۰ اور باب ۲۰، آیات ۱ تا ۱۶)۔

بہ قول مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اس بشارت میں حضرت مسیح (علیہ السلام) نے مثالی رنگ میں اقوام و امم عالم کی عملی زندگی اور خدا کی جانب سے ان پر اجر و ثواب کا مرقع پیش فرمایا ہے۔ پہلے مزدور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے قبل کی دنیا کے لوگ ہیں اور دوسری جماعت سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی امت بنی اسرائیل مراد ہیں۔ تیسرا گروہ نصاریٰ ہیں اور چوتھی جماعت خاتم الانبیاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ کائنات ارضی کی عمر کے لحاظ سے پہلی، دوسری اور تیسری جماعت کے مقابلے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کا زمانہ حیات یوں سمجھیے گویا دن کا آخری حصہ ہے اور اجر و ثواب میں اس آخری امت کو پہلی امتوں کے مقابلے میں برابر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے یہاں ان کو دوسری تمام امتوں پر برتری حاصل ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ ان کا وجود حیات امتوں کے آخر میں ہوا ہے، لیکن چوں کہ یہ خدا کے آخری پیغام ''قرآن'' کی حامل اور ''سرخیل انبیا و رسل'' کی امت ہیں اور تمام امتوں سے ان ہی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ و میثاق لیا گیا ہے، لہٰذا حیات دنیا کے لحاظ سے گو ان کا زمانہ آخر ہے، مگر مرتبہ اور عظمت کے اعتبار سے وہ سب سے اول ہیں۔ یہی مراد بشارت کے پہلے اور آخری جملے کی یعنی ''بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول اور اس طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔'' (قصص القرآن، جلد چہارم، ص ۲۳۷)۔

اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی دو روایتیں نقل کی ہیں، جو یہ ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہم پچھلے ہونے کے ساتھ پہلے ہیں۔ (نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ) کنز العمال، جلد ۶، ص ۲۳۲، بہ حوالہ بائبل سے قرآن تک، جلد سوم، ص ۳۱۳، حاشیہ ۱)۔

(۲) نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت تمام پیغمبروں کے لئے اس وقت تک حرام کر دی جائے گی (یعنی اس وقت تک جنت میں کوئی نبی نہیں جا سکے گا) جب تک کہ اس میں، میں داخل نہ ہو جاؤں، اور تمام امتوں پر حرام کر دی جائے گی جب تک کہ اس میں میری امت داخل نہ ہو جائے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۳۱۳)۔

خاتم النبیین و الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت محمدیہ کی مثال ٹھیک اسی طرح بیان فرمائی ہے،

Marfat.com

جو بخاری شریف میں بالکل صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ حدیث مذکور میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

''گزشتہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری مدت قیام ایسی ہے جیسے نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت۔ تورات والوں کو تورات دی گئی، تو انہوں نے عمل کیا، یہاں تک کہ جب آدھا دن گزر گیا، تو وہ عاجز ہو گئے اور انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر اہل انجیل (نصاریٰ) کو انجیل دی گئی۔ انہوں نے نماز عصر تک کام کیا، پھر عاجز ہو گئے، تو انہیں بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہمیں قرآن دیا گیا، ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دے دیا گیا۔ اس پر پہلی دو کتابوں والے (یہود و نصاریٰ کہنے لگے کہ پروردگار! آپ نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جواب میں فرمایا کہ میں نے تمہاری اجرت کے معاملے میں تم پر کوئی ظلم کیا؟ وہ کہنے لگے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بس یہ میرا فضل ہے، جس کو چاہوں دوں۔'' (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب من ادرک رکعۃ من العصر، جلد ۱، ص ۹۷۔ نیز دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۳۸ اور بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۱۲، حاشیہ ۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ منقولہ بالا مثال میں کس درجہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اے لوگو! میں تمہارے سامنے کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہا ہوں، بلکہ وہی بات کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پہلے آنے والے انبیائے کرام نے فرمائی ہے۔

انجیل متی کی ایک اور مفصل اور تمثیلی بشارت حسب ذیل ہے۔

''(حضرت یسوع علیہ السلام فرماتے ہیں) ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا، جس نے تاکستان لگایا اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا، تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا۔ اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا، تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر

Marfat.com

قبضہ کرلیں۔ اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں نے اس سے کہا کہ ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا، جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ!

جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔

وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔

یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔

اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔

اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ اور جب سردار کاہنوں نے اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں، تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔" (باب ۲۱، آیات ۳۳ تا ۴۶)۔

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں: "اس تمثیل میں مالک مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، اور باغ سے شریعت کی جانب اشارہ ہے، اور اس احاطہ گھیرنے اور اس میں شیرہ انگور کے لئے حوض کھدوانے اور برج بنوانے سے محرمات اور مباحات اور اوامر و نواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سرکش مالیوں سے مراد جیسا کہ کاہنوں کے سرداروں نے سمجھا، یہودی ہیں، اور بھیجے ہوئے نوکروں کا مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں۔ بیٹے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں...... اور ان کے نظریے کے مطابق، یہودیوں نے ان کو قتل بھی کیا، اور وہ پتھر جن کو معماروں نے رد کر دیا تھا، یہ کنایہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ امت جو اس کے پھل لائے گی اس کا اشارہ امت محمدیہ کی جانب ہے، اور یہی وہ پتھر ہے کہ جو اس پر گرا ریزہ ریزہ ہو گیا، اور جس شخص پر یہ پتھر گرا وہ پس گیا" (بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۱۵)۔ آیت "خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی...... کا حوالہ اوپر بھی گزر چکا ہے۔

عیسائی علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس پتھر کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مگر ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے درج ذیل چار وجوہات کی بناء پر اس کی تردید فرمائی ہے۔

پہلی وجہ: داؤد علیہ السلام نے زبور نمبر ۱۱۸، آیات ۲۲، ۲۳ میں فرمایا کہ "جس پتھر کو معماروں نے

Marfat.com

رد کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔"
(بائبل کے شراح اس بات پر متفق ہیں کہ انجیل متی کی مذکورہ عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب مقدس کی جس عبارت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ زبور (۱۱۸: ۲۲،۲۳) کی یہی عبارت ہے۔)

اب اگر اس پتھر کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو مانا جائے جو نسلاً خود بھی یہودی ہیں ...... تو پھر یہودیوں کی نگاہوں میں یہ عجیب کیوں نظر آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کونے کے سرے کا پتھر بن گئے؟ بالخصوص داؤد علیہ السلام کی نظر میں اس کے عجیب ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنی زبور میں عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تعظیم کرتے تھے...... ہاں، یہ بات بنی اسماعیل کے کسی فرد کے بارے میں درست ہو سکتی ہے، اس لیے کہ یہودی بنی اسماعیل کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان میں سے کسی شخص کا ترقی پا کر "کونے کے سرے کا پتھر" بن جانا ان کے لئے یقیناً تعجب خیز ہو سکتا ہے۔" (ایضاً ص ۳۱۶)۔

دوسری وجہ: اس کلام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جو شخص اس پتھر پر گرے گا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور جس پر وہ گرے گا اس کو پیس دے گا۔" یہ وصف کسی صورت میں حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق نہیں آتا، کیوں کہ ان کا قول ہے: اگر کوئی میری باتیں سن کر ان پر عمل نہ کرے، تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا (یعنی اس کو سزا نہیں دیتا) کیوں کہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں، بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں۔"

"اس کے برعکس، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا صادق آنا محتاج بیان نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدکاروں، شریروں کی تنبیہ پر مامور تھے۔ لہٰذا اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گریں گے تب بھی شکستہ اور ریزہ ریزہ ہوں گے، اور اگر وہ ان پر مسلط ہوں گے تو پیس دیں گے۔" (ایضاً ص ۳۱۷، ۳۱۸)۔

تیسری وجہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میری اور دوسرے پیغمبروں کی مثال ایسے محل کی ہے، جس کی عمارت بڑی خوبصورت ہے، مگر اس کے کسی حصے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، دیکھنے والے آتے ہیں، اور عمارت کی خوبصورتی کو دیکھ کر عش عش کرتے اور حیرت کرتے ہیں سوائے اس ایک اینٹ کی جگہ کے۔ اس عمارت کی تکمیل مجھ سے ہوئی اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا" (ایضاً ص ۳۱۷۔ نیز ملاحظہ فرمائیے صحیح البخاری، ج ۱، کتاب المناقب، باب خاتم النبین، ص ۵۰۱)۔

حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کے اقوال شریفہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں پائی جانے والی مشابہت قابل غور ہے۔

Marfat.com

''اور چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دوسرے دلائل سے ثابت ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، باب ششم، چھے مسلکوں کی تفصیل، ص ۹۷ تا ۱۸۲) اس بنا پر اس بشارت کے سلسلے میں اگر آپ کے قول سے بھی استدلال کیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ (ایضاً، ص ۳۱۷)۔

چوتھی وجہ: ''خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر بیٹا نہیں ہوسکتا'' (اس لیے کہ آپ نے ''بیٹے'' اور ''پتھر'' دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا ہے)۔ (ایضاً، ص ۳۱۸، نیز اسی صفحے کا حاشیہ نمبر ۱)۔

❁❁❁

Marfat.com

(۲) انجیلِ مرقس کی بشارتیں

انجیل مرقس (Mark) میں بھی آسمانی بادشاہی کا ذکر تمثیلی انداز میں آیا ہے۔ ذیل میں اس قبیل کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) ''......اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے۔ اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے۔ اور بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، پھر جب اناج پک چکا، تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے، کیوں کہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔'' (باب۴: ۲۶ تا ۲۹)۔

یہ الفاظ درج ذیل قرآنی الفاظ سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۔ ''ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فاٰزره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع. ''(۴۸: ۲۹)۔ اس آیت شریفہ کا حوالہ اوپر بھی آ چکا ہے۔

(ب) پھر اس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے، تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا، تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔'' (باب۴: ۳۰ تا ۳۲)۔

اس مفہوم کی دو آیتوں کا حوالہ انجیل متی سے اوپر پیش کیا جا چکا ہے اور ساتھ ہی ان سے متعلق مولانا کیرانویؒ کی توضیح بھی درج کی جا چکی ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

(۳) انجیلِ لوقا کی بشارتیں

انجیلِ لوقا (Luke) میں بھی خدا کی بادشاہی سے متعلق آیات موجود ہیں۔ اس میں سے ذیل میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) ''پس وہ کہنے لگا خدا کی بادشاہی کس کی مانند ہے؟ میں اس کو کس سے تشبیہہ دوں؟ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے، جس کو ایک آدمی نے لے کر اپنے باغ میں ڈال دیا۔ وہ اُگ کر بڑا درخت ہو گیا اور ہوا کے پرندوں نے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کیا۔'' (باب ۱۳: ۱۸، ۱۹)۔

ان کے الفاظ میں اور اس مفہوم کی اوپر درج شدہ آیات کے لفظوں میں تھوڑا ہی فرق ہے۔

(ب) اس نے پھر کہا میں خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہہ دوں وہ خمیر کی مانند ہے جسے ایک عورت نے لے کر تین پیمانہ آٹے میں ملایا اور ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔'' (باب ۱۳: ۲۰، ۲۱)۔

ان آیات میں اور اسی مفہوم کی انجیل متی کی آیات میں کوئی خاص اور قابل ذکر فرق نہیں ہے۔

اس ضمن میں لوقا سے کچھ اور آیتیں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

(ج) ''پھر اس نے ان بارہ کو بلا کر انہیں سب بدروحوں پر اختیار بخشا اور بیماریوں کو دور کرنے کی قدرت دی اور انہیں خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا۔'' (لوقا، باب ۹: ۱ تا ۳)۔

(د) ''ان باتوں کے بعد خداوند نے ستر آدمی اور مقرر کیے اور جس جس شہر اور جگہ کو خود جانے والا تھا وہاں انہیں دو دو کر کے اپنے آگے بھیجا (باب ۱۰: ۱) اور ان سے کہا: ''......جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمہیں قبول کریں، تو جو کچھ تمہارے سامنے رکھا جائے، کھاؤ اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمہارے نزدیک آ پہنچی ہے۔ لیکن جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں، تو اس کے بازاروں میں جا کر کہو کہ ہم اس گرد کو بھی جو تمہارے شہر سے ہمارے پانو میں لگی ہے تمہارے سامنے جھاڑے دیتے ہیں، مگر یہ جان لو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آ پہنچی ہے۔'' (باب ۱۰: ۸ تا ۱۲)۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتے تھے

Marfat.com

اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کے لئے مامور فرماتے تھے۔ مندرجہ بالا آیتوں میں شاگردوں کی تعداد کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے خدا کی بادشاہی کی بشارت دی، اس کی خوبیاں بیان کیں تا کہ اس کے پہچاننے میں کسی کو کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ وہ خود بھی اس کی آمد کے منتظر رہے اور ان کے تتبع میں دوسرے نیک لوگ بھی چشم بہ راہ رہے۔ اگر اس بادشاہی کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوتا، تو خود آپ علیہ السلام اور ان کے شاگرد یہ نہ فرماتے کہ وہ نزدیک آ پہنچی ہے یا عن قریب آنے والی ہے، بلکہ یہ اعلان کرتے کہ وہ آ چکی ہے۔

❋❋❋

Marfat.com

(۴) انجیلِ یوحنّا کی بشارتیں

انجیلِ یوحنا (John) میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے متعلق بشارات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک بشارت مع پس منظر کچھ اس طرح ہے۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور قدسی کی خوشخبری دینے لگے، تو یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ حضرت سے دریافت کریں کہ آخر آپؑ کون ہیں؟ چنانچہ جب کاہن اور لاوی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، تو ان کے اور حضرتؑ کے درمیان سوال و جواب کے انداز میں گفتگو ہوئی، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(جب آنے والوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھا، تو) ''اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں، جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے، بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو...... انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیا، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے۔'' (یوحنا ۱: ۲۰ تا ۲۵)۔

اس میں جن تین انبیائے کرام کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں: حضرت مسیح، حضرت ایلیاہؑ اور وہ نبی۔ عبارت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو ان تینوں پیغمبروں کی آمد کا انتظار تھا۔ جہاں تک مسیحؑ کا تعلق ہے، اس سے بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

حضرت ایلیاہؑ کی نسبت البتہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ ایلیاہؑ سے حضرت الیاس علیہ السلام مراد ہیں، جن کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا اور کتاب میکاہ (۴: ۵) میں انہی کے دوبارہ آنے کی خبر دی گئی۔ (دیکھیے ب س ق ت ج ۳، ص ۱۸۵، حاشیہ ۲ از محمد تقی عثمانی، محولہ عبارت راقم کو حالیہ بائبل میں نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ محمد تقی عثمانی صاحب کے پیش نظر جو نسخہ تھا، اس میں یہ موجود ہو)۔

دوسرے خیال کے مطابق، حضرت الیاس علیہ السلام (یا ایلیاہ) وہ ہیں جنہیں مسلمان خضر علیہ

Marfat.com

السلام کہتے ہیں، جو مرے نہیں ہیں، بلکہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں۔ (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۹۷)۔

انجیل متی کی بعض عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بہ موجب، حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی ایلیاہ تھے، مگر علمائے یہود ان کو نہیں پہچان سکے اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا...... مذکورہ انجیل کی اصل عبارتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ نے ارشاد فرمایا: ''چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔ (متی ۱۱: ۱۴)۔

(۲) ''شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ بہ حال کرے گا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آ چکا ہے، اور انہوں نے اسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔'' (متی ۱۷: ۱۰ تا ۱۳)۔

رہا خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایلیاہ ہونے سے انکار کا معاملہ، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامات وصفات کے مکمل طور پر واضح نہ ہونے کی بنا پر اس وقت خود ان کو بھی اپنے متعلق یہ علم نہ تھا کہ وہی ایلیاہ ہیں۔ اسی وجہ سے حضرتؑ نے کاہنوں اور لاویوں سے کہہ دیا کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۸۶)۔ لیکن بعد میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اس امر کی وضاحت کر دی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی ایلیاہ ہیں۔

حضرت ایلیاہ کی شخصیت سے متعلق پائے جانے والے اختلاف سے قطع نظر مندرجہ بالا شواہد سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت یہودیوں کو کم از کم تین پیغمبروں کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار تھا۔ ان میں سے دو کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ رہے تیسرے نبی موعود، تو ان کا نام لینے کے بجائے صرف ''وہ نبی'' کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ بائبل کے عربی ترجمے میں اس کے لئے ''النبی'' اور انگریزی ترجمے میں ''That Prophet'' آیا ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اس سے کوئی مخصوص نبی مراد ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''اس نبی کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ ''وہ نبی'' کہہ دینا گویا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ ''جس کی خبر توراۃ (کذا) میں دی گئی ہے''...... (سیرت سرور عالم، حصہ اول، ص ۱۳۸، ۶۸۰)۔

Marfat.com

مزید وضاحت کے طور پر ''وہ نبی'' یا ''النبی'' کے بارے میں مولانا کیرانویؒ کی صراحت بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں ''الف لام جو النبی میں آیت ۱۲، ۲۵ میں واقع ہوا ہے، وہ عہد کا ہے اور مراد اس سے وہ مخصوص نبی ہے جس کی خبر واطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے، جیسا کہ کتاب استثنا کے باب اٹھارہ (۲۶) میں علمائے مسیحین کی تصریح کے مطابق موجود ہے'' (ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۸۵)۔ پھر فرماتے ہیں کہ: ''انجیل یوحنا کے باب ۷ آیات ۴۰، ۴۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرنے کے بعد (جو یہ) کہا گیا ہے کہ: ''پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے، اوروں نے کہا یہ مسیح ہے'' اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو نبی ان کے ذہنوں میں معہود اور معین تھا، وہ ''مسیح'' کے علاوہ کوئی دوسرا ہے۔ اس لیے اس کو مسیح کے مقابلے میں ذکر کیا۔'' (ایضاً، ص ۱۹۲)۔

الغرض یہودیوں کو مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ، ایک ایسے مخصوص اور معروف نبی کے ظہور کا بھی انتظار تھا جس کا نام لینے کے بجائے صرف وہ نبی کہنا ہی کافی تھا۔ اس کا مصداق، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی سے ثابت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے مسلمان بھی آپ ﷺ کو ''آں حضرت'' کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ دیگر یہودیوں کی طرح، یثرب یعنی مدینہ کے یہودی بھی اُس نبی موعود کی آمد کے منتظر تھے، چنانچہ، جب ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ واقع ہوجاتی، تو وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ نبی موعود مبعوث ہوں گے اور ہم ان پر ایمان لا کر ان کی قیادت میں تم سے جنگ کریں گے اور کامیاب ہوں گے۔ (دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۳۴، نیز دیکھیے سیرت ابن اسحاق، تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو ترجمہ از نور الٰہی ایڈووکیٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۳)۔

یہی نہیں، بلکہ علی ازدی سے منقول ہے کہ یثرب (مدینہ) کے یہود ہمارے مقابلے کے وقت اکثر یہ دعا کرتے تھے: ''اللھم ابعث ھذا النبی یحکم بیننا وبین الناس'' ''خدایا! اس نبی موعود کو مبعوث فرما جو ہمارے اور لوگوں یعنی مشرکوں کے درمیان حق کا فیصلہ کردے۔ (بدائع الفوائد جلد ۲، اور مسند بزار، بہ حوالہ مصدر مذکور، ص ۲۳۵)۔ قرآن کریم کی آیت ''وکانو من قبل یستفحون علی الذین کفرو افلما جاء ھم ماعر فوا کفروا بہ. (۸۹:۲)۔ اس کی آمد سے پہلے وہ (یہود) کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ

Marfat.com

پہچان بھی گئے، تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا'' سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ یثرب یعنی مدینہ کے مشرکین نے وہاں کے یہود سے یہ بات سن رکھی تھی کہ ایک نبی سرزمین عرب میں آنے والے ہیں (۲۷)۔ یہی وجہ ہے کہ عقبہ ثانی کے موقعے پر جب ستر اشخاص حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایا، تو انہوں نے اسی وقت ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''بلاشبہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بعثت سے متعلق ہم اکثر یہودی علما سے سنا کرتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد اول، بہ حوالہ مصدر مذکور، ص ۲۳۵)۔

☆ نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد وظہور کے متعلق انجیل یوحنا کی دیگر پیشین گوئیاں یہ ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو، تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا، تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا۔'' (۱۴: ۱۵ تا ۱۷)۔

(۲) ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔'' (۱۴: ۲۵۔۲۶)

(۳) ''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (۱۴: ۳۰)

(۴) ''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق، جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا۔'' (۱۵: ۲۶)۔

(۵) ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا، تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔'' (۱۶: ۷)۔

(۶) ''وہ آ کر دنیا کو گناہ، راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے ......'' (۱۶: ۸، ۹)۔

(۷) ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا، تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن

Marfat.com

جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دیدے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔'' (۱۶: ۱۲ تا ۱۵)۔

موجودہ اردو ترجموں میں ہر جگہ عام طور پر لفظ مددگار ہی ہے۔ ہاں، کچھ اردو نسخوں میں البتہ اس کی جگہ وکیل اور شفیع ہے (۲۸)۔ عربی ترجمہ (۱۹۵۲ء) اور انگریزی ترجمہ (۱۹۷۹ء) میں مددگار کے لئے بالترتیب ''المعزی'' (تسلی دہندہ) اور Comforter استعمال ہوا ہے۔ اور کیتھولک ایڈیشن (بنگلور، ۱۹۹۳ء) میں ''Advocate'' منقول ہے۔ لیکن قدیم عربی اور اردو ترجموں میں مندرجہ بالا تمام مقامات پر ''فارقلیط'' مذکور تھا۔ عربی تراجم مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء، ۱۸۳۱ء، ۱۸۳۳ء، ۱۸۴۴ء میں یہ لفظ موجود تھا اور یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ میں یوں مرقوم تھا ''والهب (غالباً واطلب) من الاب فيعطيكم فارقليطاً (۲۹)۔ قدیم عبرانی ترجموں میں بھی فارقلیط ہی تھا، جو یونانی لفظ ''Periclytos'' کا ترجمہ تھا، جس کے معنی ہیں ''تعریف کیا گیا'' عربی ترجموں میں یہ، بہ ظن غالب، عبرانی تراجم کے توسط ہی سے آیا تھا (۳۰) بعد کو، اردو ترجموں میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا۔ لیکن چوں کہ ''Periclytos'' اور فارقلیط عربی لفظ ''احمد'' کے ہم معنی تھے، جن سے نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ثابت ہوئی تھی، اس وجہ سے بعد میں ان دونوں کو نکال دیا گیا۔ یونانی نسخوں میں ''Periclytos'' کی جگہ ایک دوسرے یونانی لفظ ''Paracletus'' یا ''Paracletos'' کو داخل کر دیا گیا، اور دیگر زبانوں کے ترجموں میں ''فارقلیط'' کے بجائے اسی آخر الذکر یونانی لفظ کے ترادفات، مددگار، وکیل، شفیع، معزی، Comforter, Advocate لکھے جانے لگے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیشین گوئی میں اپنے بعد آنے والے نبی کے متعلق جو الفاظ استعمال کیا تھا، اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی زبان عبرانی (۳۱) تھی، جس میں کالڈی زبان کے لفظ بھی ملے ہوئے تھے، اس مقام پر ''فارقلیط'' کا لفظ فرمایا تھا (۳۲) لیکن جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں، تو اس کا ترجمہ ''پیریکلیوطاس'' (Periclytos) کیا گیا، جو ٹھیک ''فارقلیط'' کے ہم معنی ہے اور جس کا ترجمہ یونانی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ ''احمد'' ہے۔ (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۶۷)۔

اس کے برعکس، ابن ہشام (متوفی ۸۲۸ء) کی ''السیرۃ النبویۃ'' میں سریانی لفظ ''منحمنا'' اور اس کا یونانی ترجمہ ''برقلیطس'' منقول ہے، اور اس کے معنی ''محمد'' بتائے گئے ہیں۔ (دیکھیے جلد اول، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۵)۔ مولانا مودودیؒ بھی اس سے متفق معلوم ہوتے ہیں (دیکھیے

Marfat.com

سیرت سرور عالم ج ا،ص ۱۴۱، ۱۴۲)۔ علاوہ ازیں مولانا امین احسن اصلاحیؒ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بشارت زیر بحث میں استعمال ہونے والا لفظ سریانی الاصل رہا ہوگا اور پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ ''بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سریانی لفظ ''منحمنا'' ہے، جس کے معنی سریانی میں وہی ہیں جو ''محمد'' اور ''احمد'' کے ہیں (۳۳)۔ (دیکھیے تدبر قرآن، ج ۸، دہلی، ۱۹۸۹ء،ص ۶۲، ۳۶۳،۳)۔

مولانا کیرانویؒ کے قول سے متعلق مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی ایک صراحت کے مطابق، اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے نبی کا نام ''احمد'' ذکر کیا تھا، لیکن عہد نامہ قدیم و جدید کے مصنفوں نے یونانی زبان میں اس کا ترجمہ ''پیر کلوطوس'' Periclytos سے کر دیا اور عربی مترجموں نے اس لفظ کو معرب کر کے ''فارقلیط'' بنا دیا۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳،ص ۳۲۴، حاشیہ)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی رائے ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ مکمل بیان القرآن میں ارقام فرماتے ہیں کہ ''عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی میں ''احمد'' فرمایا تھا۔ جب یونانی میں ترجمہ ہوا، تو پیر کلوطوس (Periclytos) لکھ دیا، جس کے معنی ہیں ''احمد''...... پھر جب یونانی سے (دوبارہ) عبرانی میں ترجمہ کیا، تو اس کو فارقلیط کر دیا۔ (لیکن بعض عبرانی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود (۳۴) ہے۔'' (ج ۱۲،ص ۳)۔

عثمانی صاحب کی تصریح کی رو سے، عربی مترجمین نے یونانی لفظ ''پیر کلوطوس'' کو معرب کر کے ''فارقلیط'' بنایا اور تھانوی صاحبؒ کی تحقیق کے بہ موجب، مذکورہ یونانی لفظ کو اس وقت ''فارقلیط'' کیا گیا جبکہ انجیل کا ترجمہ یونانی سے دوبارہ عبرانی میں ہوا۔ واضح رہے کہ تھانوی صاحبؒ کے نزدیک، انجیل کی اصل زبان عبرانی تھی اور اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یہ امر تو بہ ہر حال مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیشین گوئی میں نبی موعود کا نام نامی واضح طور پر ذکر فرمایا تھا، اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی عظیم الشان شخصیتوں کی پیشین گوئیاں نام کے ساتھ کی گئی تھیں۔ چنانچہ، کتاب یسعیاہ کی ایک پیشین گوئی میں، جس کا تعلق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے، ان کے نام کی صراحت موجود ہے۔ پیشین گوئی کی اصل عبارت یہ ہے:

''دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوایل (۳۵) رکھے گی۔'' (۷ : ۱۴)۔

اس کے علاوہ، زبور اور دانی ایل میں آپ ﷺ کے لقب مسیح اور ممسوح کے ساتھ پیشین گوئی کی

Marfat.com

گئی ہے۔ اصل عبارتیں یوں ہیں:

''قومیں کس لیے طیش میں ہیں اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف۔'' (زبور ۱:۱، ۲)۔

''اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے گا اور اس کا کچھ نہ رہے گا۔'' (دانی ایل ۹:۲۶)

اسی طرح یسعیاہ اور یرمیاہ میں مندرجہ دیگر شخصیتوں سے متعلق بشارتوں میں بھی ان کے نام مذکور ہیں۔ ذیل میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

''پھر خداوند نے مجھے فرمایا کہ ایک بڑی تختی لے اور اس پر صاف صاف لکھ مہیر شالال حاش بز کے لئے۔'' (یسعیاہ ۸:۱)۔

''دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ خداوند فرماتا ہے کہ میں داؤدؑ کے لئے ایک صادق شاخ پیدا کروں گا اور اس کی بادشاہی ملک میں اقبال مندی اور عدالت اور صداقت کے ساتھ ہوگی۔'' (یرمیاہ ۲۳:۵)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشارت میں جس نام کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا تھا حقیقت میں وہ کیا تھا؟ آیا وہ فارقلیط تھا، منحمنا تھا یا پھر احمد تھا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ اصل میں وہ نام ''احمد'' ہی رہا ہوگا۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت شریفہ سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔

''واذ قال عیسیٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالما بین یدی من التوریٰة ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد.'' (۶۱:۶)۔

''عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، درآں حالے کہ میں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے، تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہوگا''

حدیث ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''عن سھل مولیٰ عثمیة انہ کان نصرا انیامن اھل مریس واکان یقرأ الانجیل فذکران صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الانجیل وھومن ذریة اسمٰعیل اسمہ احمد.''

''سہل مولیٰ عثمیہ کہتے ہیں کہ اہل مریس کے اندر ایک نصرانی تھا، جو انجیل پڑھا کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ نبی ﷺ کی صفت انجیل میں درج ہے۔ وہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے اور

Marfat.com

ان کا نام احمد ہوگا۔''

(طبقات ابن سعد بہ حوالہ رحمتہ للعالمین از قاضی محمد سلیمان منصور پوری، جلد دوم، ص ۳۰۰)۔

اس سلسلے کی ایک اور روایت یہ ہے:

''احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی اور اس نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے یحییٰ بن عبداللہ عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ کی روایت نقل کی۔ یحییٰ نے کہا: مجھ سے اپنی قوم کے محبوب لوگوں میں سے ایک شخص نے حسانؓ بن ثابت کی روایت بیان کی، جس نے کہا: بہ خدا! میں سات آٹھ سال کی عمر میں گدرائے ہوئے جسم کا لڑکا تھا۔ جو کچھ سنتا تھا، اسے سمجھتا تھا۔ میں نے ایک یہودی کو سنا جو یثرب میں اپنے قلعے پر سے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا ''اے گروہ یہود!'' جب یہود اکٹھے ہوگئے، تو انہوں نے اسے (کذا) کہا ''وائے افسوس! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا ''آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جسے مبعوث کیا جائے گا۔'' (سیرت ابن اسحاق (اردو)، دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۳)۔

مزید ایک روایت یوں ہے ''احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا احبار (یہودی علما) اور رہبان (عیسائی درویشوں) کے پاس کتابیں تھیں۔ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے قبل وہی اہل علم تھے۔ ان کے علم کا ذریعہ وہ کتابیں تھیں جن میں آں حضرتؐ کی صفات آپ کا نام اور سرزمین عرب میں آپ ﷺ کے زمانہ نبوت کے متعلق لکھا ہوا تھا اور ان کے انبیاء نے آپ ﷺ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کا اتباع کریں گے۔ وہ آپ ﷺ کے طفیل، بت پرست مشرکین کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور انہیں یہ خبریں سناتے تھے کہ ''احمد'' نام کے ایک نبی دین ابراہیم پر مبعوث ہونے والے ہیں، جن کا ذکر انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔'' (ایضاً ص ۱۰۰)۔

علاوہ ازیں زمانہ ماقبل اسلام سے تعلق رکھنے والے بعض اشعار عرب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(ا) شهدت على احمدانه
رسول من الله بارى النسم
فلومد عمرى الى عمره
لكنت وزيراله و ابن عم

Marfat.com

ترجمہ: میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے رسول ہیں جو جان آفریں ہے۔ اگر میری عمران کی عمر تک دراز ہوئی، تو میں ضرور ان کا وزیر اور ابن عم بنوں گا۔

یہ اشعار یمن کے بادشاہ تبع کے ہیں اس نے یثرب (مدینہ) پہنچ کر اوس وخزرج اور یہود سے جنگ کی تھی۔ اس جنگ کی نوعیت عجیب تھی اس واسطے کے اہل یثرب دن کو لڑتے اور رات کو تبع کی مہمانی کرتے۔ تین راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ آخر کار تبع شرمندہ ہوا اور اس نے صلح کی درخواست کردی۔ معاہدہ صلح کے طے کرنے کی غرض سے احیحہ بن الحلاج اوسی اور بنیامین قرظی مامور ہوئے۔ احیحہ نے تبع سے عرض کیا کہ ہم تو آپ ہی کی قوم میں ہیں، ہم سے کیوں جنگ کی گئی۔ بنیامن یہودی نے کہا کہ آپ اس شہر کو فتح بھی نہیں کر سکتے۔ تبع نے کہا کیوں؟ کہا یہ شہر ایک نبی کی فرودگاہ ہے، جو قریش میں سے ہوگا۔ اسی موقع پر تبع نے اشعار بالا تصنیف کیے۔ ان اشعار کے علاوہ، اس نے تمہید کے طور پر، ایک اور شعر بھی کہا تھا، جس میں اسم پاک ''محمد'' آیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

القّی الی نصیحته کی ازدجر

عن قریة محجورة بمحمد

ترجمہ: اس (بنیامن) نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس آبادی سے ہٹ جاؤں جو محمد کی وجہ سے محفوظ رکھی گئی ہے۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۲، ص ۳۰۱)۔

اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینے کے علمائے یہود لفظ ''محمد'' سے بھی واقف تھے اور اس نام کے ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ شام کے راہب بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ چنانچہ، ایک شامی راہب نے سفیان بن مجاشع کو بتایا تھا کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، جس کا نام محمد ہوگا۔ یہ سن کر سفیان نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھ دیا۔ کتاب المعتبر از علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

''کان سفیان اتی الشام تنزل علی راهب فاعجبته فصاحة و عقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الی مضر فقال له ام أنه یعبث فی العرب نبی یقال له محمد فسمی سفیان ابنه محمداً''

(بہ حوالہ تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی، جلد اول، ۱۹۹۵ء، ص ۶۴۰، حاشیہ ۶۸۲، اس کا حوالہ پہلے بھی آ چکا ہے)۔

اس ضمنی بحث کے بعد ذیل میں لفظ ''احمد'' سے متعلق دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے:

Marfat.com

(۲) اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی
لَمْ یَخْلُقِ الخلق عَبَثْ
أَرْسَلَ فِینَا أَحْمَدَا
خَیْرَ نَبِیِّ قَدْ بَعَثْ

ترجمہ: تعریف ہے اس خدا کی جس نے مخلوق کو بے کار نہیں پیدا کیا اور جس نے ہمارے درمیان نبی برتر ''احمد'' کو مبعوث کیا۔ یہاں صیغہ ماضی قطعیت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

یہ اشعار قس بن ساعدہ کے ہیں، جو نجران کا اسقف اور حکمائے عرب میں سے تھا۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ۲، ص ۳۰۱)۔

حاصل بحث یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے نبی کا نام ''احمد'' ہی بتایا تھا۔ بعد کو، اس کا ترجمہ سریانی میں ''منحمنا'' سے کردیا گیا۔ پھر سریانی ''منحمنا'' کا ترجمہ یونانی میں لفظ ''Periclytos'' سے کیا گیا، جس کے معنی ہیں سراہا گیا۔ بعدازاں، یہی ''Periclytos'' عبرانی میں منتقل ہو کر ''فارقلیط'' ہوگیا۔ بعض عبرانی نسخوں میں تو لفظ ''احمد'' بھی مستعمل ہوا ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، بہر کیف، جب انجیل کا ترجمہ عربی میں ہوا، تو عربی مترجمین نے عبرانی ''فارقلیط'' ہی کو اپنانا مناسب سمجھا۔ اس طرح یہ لفظ عربی تراجم میں بھی در آیا۔ پھر آگے چل کر اردو ترجموں میں بھی یہی مستعمل ہوا۔ لیکن چوں کہ ''Periclytos'' اور ''فارقلیط'' عربی لفظ ''احمد'' کے ہم معنی تھے اور ان سے محبوب خدا ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہوتی تھی، اس لیے بعد میں یونانی نسخوں میں ''Periclytos'' کو اس سے مماثلت رکھنے والے لفظ ''Paracletus'' یا ''Paracletos'' سے بدل دیا گیا اور دیگر زبانوں کے ترجموں میں بھی ''فارقلیط'' کے بجائے اسی (Paracletus یا Paracletos) کے ہم معنی الفاظ مثلاً معزی، مددگار، شفیع، وکیل، Comforter, Adovcate وغیرہ لکھے جانے لگے۔

موجودہ اردو اور عربی ترجموں کے مطابق، مددگار اور المعزی، قدیم عبرانی اور عربانی تراجم کے بہ موجب فارقلیط اور سریانی ترجمے کی رو سے ''منحمنا'' (مگر درحقیقت ''احمد'') کی تفسیر روح القدس اور روح الحق کے ساتھ کی گئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر، یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مددگار، المعزی، فارقلیط وغیرہ سے مراد دراصل روح القدس (Holy Spirit or ghost) ہے، جسے عام عیسائی عقیدے کی رو سے اقنوم کا درجہ حاصل ہے۔ (۳۶)۔ لیکن یہ درست نہیں ہے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

Marfat.com

نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تیرہ دلائل پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زیر مطالعہ آیات میں فارقلیط سے مراد وہ روح القدس نہیں ہے جو عید Pentecost کے موقعے پر حواریوں پر نازل ہوئی تھی (۳۷) بلکہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مقصود ہے۔ ان میں سے بعض اہم دلائل کی تفصیل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''میں باپ سے درخواست کروں گا، تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (فارقلیط) بخشے گا'' (یوحنا ۱۴:۱)۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانائے موصوف فرماتے ہیں کہ ''روح القدس عیسائیوں کے نزدیک اپنے باپ کے ساتھ مطلقاً متحد ہے اور بیٹے کے ساتھ اس کی لاہوتی حیثیت سے حقیقی اتحاد رکھتی ہے۔ اس لیے اس کے حق میں ''دوسرا فارقلیط'' کا عنوان صادق نہیں آتا۔'' بہ قول مولانا تقی عثمانی، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط کے آنے کی خوشخبری دی، تو لامحالہ فارقلیط کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لاہوتی حیثیت سے جدا نہیں ہے۔'' (بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۳۱، نیز اسی صفحے کا حاشیہ ۱)۔

خلاصہ یہ کہ ''دوسرا فارقلیط'' کا عنوان روح القدس پر نہیں، بلکہ نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات والا صفات پر صادق آتا ہے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔'' (ایضاً ۱۴:۲۶)۔

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''عہد جدید کے کسی رسالے سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکی کہ حواری ان باتوں کو بھول گئے تھے، جو مسیح علیہ السلام نے کہی تھیں اور اس روح نے جو یوم الدار میں نازل ہوئی ان کو یاد دلائی ہو'' (ب س ق ت، ص ۳، ص ۳۳۲)۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق روح القدس کے یوم نزول سے نہیں، بلکہ خاتم الانبیا ﷺ کے عہد زریں سے ہے جبکہ عیسائی حضرات اصل مسیحی تعلیمات کو فراموش کر کے تثلیث (Trinity) کے پرفریب دام میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مجسمہ پرستی اور دیگر عقائد فاسدہ میں بھی گرفتار تھے۔ ایسی حالت میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی فراموش کردہ باتوں اور تعلیمات اصلیہ کو پھر یاد دلایا۔ خدا نے آپ ﷺ کے ذریعے عیسائیوں کو عقیدہ تثلیث یا ثالوث سے دستبردار ہونے اور توحید خالص کو اپنانے کی دعوت دی (دیکھیے قرآن کریم ۴:۱۷۱ اور ۵:۷۳)۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق، حضرت عیسیٰ

Marfat.com

علیہ السلام اور حضرت مریم علیہما السلام کی الوہیت کی سختی سے تردید کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت (Snoship) کے تصور کو بھی رد کیا اور انتہائی واشگاف انداز میں یہ واضح کیا کہ دیگر انبیا و رسل کی طرح سیدنا مسیح علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کا یہ پیغام بھی عیسائیوں تک پہنچایا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نہ تو قتل کیے گئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ (دیکھیے ۴:۱۵۶، ۱۵۷)۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ میری گواہی دے گا۔'' (ایضاً ۱۵:۲۶)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''دیکھیے! اس روح نے کسی کے سامنے (حضرت) مسیح علیہ السلام کے حق میں کوئی شہادت نہیں دی۔ اس لیے کہ جن شاگردوں پر وہ روح نازل ہوئی، ان کو کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ وہ (حضرت) مسیح علیہ السلام کو کماحقہ...... جانتے پہچانتے تھے، پھر ایسے لوگوں کے سامنے شہادت دینا محض بے کار ہے۔ رہے وہ منکرین جن کو واقعی شہادت کی ضرورت تھی، سو اس روح نے اس میں سے کسی کے سامنے شہادت نہیں دی۔ اس کے برعکس، محمد ﷺ نے (حضرت) مسیح علیہ السلام کے لئے اور ان کے سچے ہونے اور اس الوہیت کا دعویٰ کرنے سے برأت کی شہادت دی جو کفر و گمراہی کی سب سے بڑی قسم ہے۔ قرآن کریم کے متعدد مواقع پر ماں بیٹے دونوں کی برأت اور پاک دامنی مذکور ہے اور احادیث میں تو بہ کثرت ملتی ہے۔'' (ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۴۳)۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

''......اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا، تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔'' (یوحنا ۱۶:۷)۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا کیرانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ''اس میں حضرت مسیح علیہ السلام اس کی آمد کو اپنے جانے پر معلق کر رہے ہیں، حالانکہ وہ روح حواریوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی ہی میں نازل ہو چکی تھی جبکہ آپ علیہ السلام نے ان کو اسرائیلی شہروں کی جانب روانہ کیا تھا (دیکھیے یوحنا ۲۰:۲۲) اس وقت روح کا نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روانگی پر موقوف نہیں کیا گیا تھا۔ نتیجہ صاف ہے کہ فارقلیط سے مراد وہ روح ہرگز نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا مصداق یقیناً وہی شخص ہو سکتا ہے جس سے حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے قبل کسی قسم کا فیض حاصل نہیں کیا اور اس

Marfat.com

کی آمد مسیح علیہ السلام کی روانگی پر موقوف ہو...... ظاہر ہے کہ یہ پوری بات محمد ﷺ پر صادق آئی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی تشریف آوری عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد ہوئی اور آپ ﷺ کی آمد عیسیٰ علیہ السلام کی روانگی پر موقوف تھی، اس لیے کہ دو مستقل شریعتوں والے پیغمبروں کا وجود ایک زمانے میں ممکن نہیں ہے......'' (ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۳۴، ۳۳۵)۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''...... وہ آکر دنیا کو...... قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا ۱۶:۸)

موجودہ اردو ترجمے میں اسی طرح ہے۔ مگر مولانا کیرانویؒ کے پیش نظر جو عربی ترجمہ تھا، اس میں نقل شدہ عبارت کا مفہوم یہ تھا ''وہ دنیا کو ملامت کرے گا'' عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۶۷۱ء) میں بھی یوں ہی منقول ہے۔ عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۸۶۰ء) کی عبارت اس طرح ہے ''اور جب وہ آئے گا، تو گناہ پر ملامت کرے گا۔'' مگر عربی تراجم (مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء) میں اور فارسی تراجم (مطبوعہ ۱۸۱۶ء، ۱۸۲۸ء، ۱۸۴۱ء) میں تبکیت (بمعنی ملامت کرنا، زجر و توبیخ کرنا) کے بجائے الزام کا لفظ موجود ہے۔ تاہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ تبکیت اور الزام دونوں الفاظ توبیخ و ملامت کے قریب قریب ہیں (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۳۶) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۵۲ء) میں بھی یُبَکِّتُ (تبکیت کا مضارع) استعمال ہوا ہے اور انگریزی ترجمہ (کنگ جیمز ورشن، مطبوعہ ۱۹۷۹ء) کی عبارت کچھ یوں ہے ''He will reprove the world of sin'' لفظ ''Reprove'' بھی تبکیت اور ملامت کے ہم معنی ہے۔ اس کے برخلاف، کیتھولک ایڈیشن (مطبوعہ بنگلور ۱۹۹۳ء) میں یہ الفاظ ''He will prove the world wrong about sin'' چونکہ ملامت کرنا، الزام دینا، قصور وار ٹھہرانا اور غلط ثابت کرنا قریب قریب ہم معنی ہیں، اس لیے اصل مفہوم پر کوئی حرف نہیں آتا۔

فقرہ زیر بحث کی تصریح کرتے ہوئے مولانا کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ قول حضور ﷺ کے لئے نص جلی کے درجے میں ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی ایسے شخص ہیں جنہوں نے سارے جہاں کو للکارا اور ملامت کی بالخصوص یہودیوں کو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے پر ایسی ملامت کی، جس میں کوئی کٹر معاند اور متعصب دشمن ہی شک کر سکتا ہو...... برخلاف (اس کے) نازل ہونے والی روح...... کا ملامت کرنا کسی اصول کے ماتحت درست نہیں ہوتا کہ اس کے بعد نزول کے بھی حواریوں کا منصب ملامت کرنے کا نہ تھا، اس لیے کہ وہ لوگ قوم کو ترغیب اور وعظ کے ذریعے دعوت دیتے تھے۔'' (ب س

Marfat.com

ق ت، ج ۳، ص ۳۳۵، بہ تصرف قلیل)۔

(۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔'' (یوحنا ۱۶:۹)۔

بہ قول مولانا کیرانویؒ ''یہ قول اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط منکرین عیسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہو کر ان کو مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے ملامت کریں گے۔ یہ بات نازل ہونے والی روح پر قطعی صادق نہیں آتی، کیونکہ وہ لوگوں پر ملامت کرنے کے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔'' (مصدر سابق، ص ۳۳۷)۔

(۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔'' (یوحنا ۱۶:۱۲)۔

مولانا کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ ''اس جملے کی روشنی میں بھی فارقلیط سے روح مراد نہیں لی جا سکتی، کیونکہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے احکام میں کسی کو حکم کا اضافہ نہیں کیا۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق، اس نے (تو) حواریوں کو تثلیث کے عقیدے اور سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم دیا تھا۔ ایسی شکل میں اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان اقوال میں جو آپؑ نے عروج آسمانی تک ارشاد فرمائے تھے کون سی زائد بات کا اضافہ کیا؟ بلکہ اس روح کے نزول کے بعد ان لوگوں نے سوائے بعض احکام عشرہ کے جو سفر خروج کے باب ۲۰ میں مذکور ہیں، جملہ احکام توریت کو ختم کر دیا، تمام محرمات کو حلال کر ڈالا (دیکھیے اعمال ۱۵:۲۹) ایسی صورت میں ان کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس کے برداشت کی استطاعت نہیں رکھتے۔'' (مصدر سابق، ص ۳۳۷، ۳۳۸)۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ ''اس تمام گفتگو سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فارقلیط کا مصداق ایک ایسا نبی ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں شریعت عیسوی کی نسبت کچھ احکام زائد ہوں گے۔ اور ان کا اٹھانا کمزور مکلفین کے لئے گراں ہوگا۔ بلاشبہ ایسے نبی صرف محمد ﷺ ہی ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۳۸)۔

(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ''وہ بھی اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔'' (یوحنا ۱۶:۱۳)۔

مولانا کیرانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''یہ کلام اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط ایسا شخص ہوگا

Marfat.com

جس کی بنی اسرائیل تکذیب کریں گے۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے ضروری سمجھا کہ اس کی سچائی کا حال بیان کریں۔ اسی بنا پر خصوصیت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی۔ اس کے برعکس، نازل ہونے والی روح کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال ہی نہ تھا۔''

''مزید براں یہ کہ یہ روح ان کے نزدیک عین معبود تھی۔ پھر ایسی صورت میں اس کے حق میں یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ''جو کچھ سنے گا وہی کہے گا (۳۸)'' اس لیے اس کا مصداق بلاشبہ محمد ﷺ ہی ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال تھا، اور آپ ﷺ عین خدا بھی نہیں ہیں، اور آپ ﷺ ہی وہ شخص ہیں جو وحی کے علاوہ کوئی بات نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔۵۳: ۳، ۴۔ اور وہ اپنی خواہش سے نہیں کہتا۔ وہ صرف وحی ہے جو اس کے پاس آتی ہے (یعنی وہ جو کچھ بولتا ہے وحی کے مطابق ہی بولتا ہے)'' دوسری جگہ فرمایا ''ان اتبع الا مایوحی الی۔ ۶: ۵۰، ۱۰: ۱۵، ۷: ۲۰۳۔ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔'' (مصدر مذکور، ص ۳۳۹)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن عاص سے مروی ایک حدیث میں یہی مفہوم یوں ادا ہوا ہے حضرت عبداللہؓ بن عمرو فرماتے ہیں ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ سب کچھ جو آپ ﷺ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کیونکہ میں انؐ سب حالات میں حق کے سوا کچھ نہیں بولتا۔'' (ابی داؤد ۲۴: ۳: ابن حنبل نمبر ۶۵۱۰، ۶۸۰۲، ۶۹۳۰، ۷۰۱۸، ۷۰۲۰، طبقات ابن سعد ۴/ii ص ۸، ۱۹۰ استیعاب نمبر ۱۵۸۴ بہ حوالہ Sahifah Hammamibn Munabbih از محمد حمید اللہ، حیدر آباد ۱۹۷۹ء، ص ۳۴، حاشیہ)۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث کچھ اس طرح ہے۔

''حضرت عبداللہؓ بن عمرو فرماتے ہیں ''میں جو بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھنا چاہتا تھا، اسے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تم رسول ﷺ سے جو بات بھی سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ وہ بشر ہی تو ہیں۔ بشر کی طرح وہ بھی کبھی غصے میں ہوتے ہیں (یعنی ہوسکتا ہے، غصے کی حالت میں ان کے منہ سے کوئی بات خلاف حق نکل جائے)۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے قریش کی بات آں حضرت ﷺ سے کہی، تو آپ ﷺ نے اپنے لبوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، ان دونوں لبوں کے درمیان جو زبان ہے اس سے حق

Marfat.com

کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس لیے تم لکھ لیا کرو۔'' ابن سعد، ج ۴، جز ۱۵، ص ۲۶۲، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۵۱۳ اور مستدرک، ج ۱، ص ۱۰۵ بہ حوالہ کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں از مفتی محمد رفیع عثمانی، دیو بند، تاریخ تکمیل ۱۴۰۰ھ، ص ۷۰، ۷۱)۔

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

''مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔'' (یوحنا ۱۶: ۱۴)۔

حضرت مولانا کیرانویؒ بہ طور تشریح ارشاد فرماتے ہیں کہ ''یہ بات روح پر ہرگز صادق نہیں آتی، کیونکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق، وہ قدیم، غیر مخلوق اور قادر مطلق ہے۔ کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو اس کو فی الحال حاصل نہ ہو، بلکہ اس کی توقع ہو۔ اس کے جس قدر کمالات ہیں اس میں بالفعل سب موجود ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اس قسم کا ہو جس کے حق میں کمال متوقع ہو (۳۹)۔'' مزید فرماتے ہیں: ''مگر چوں کہ یہ کلام اس امر کا شبہ ڈال رہا تھا کہ شاید وہ نبی شریعت عیسوی کا متبع ہوگا۔ اس لیے اس کو دور کرنے کے لئے بعد میں یہ کہہ دیا کہ ''جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے'' (ایضاً، ۱۶: ۱۵) مطلب صاف ہو گیا کہ جو چیز بھی فارقلیط کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوگی گویا کہ وہ مجھ سے حاصل کی۔'' (مصدر مذکور، ص ۳۴۰)۔

علاوہ ازیں فقرہ ''دنیا کا سردار (سرور عالم) آتا ہے'' (یوحنا ۱۴: ۳۰) اور عبارت: ''وہ میرا جلال ظاہر کرے گا'' (یوحنا ۱۶: ۱۴) کو بھی بہ طور دلائل پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کا انطباق حضور پرنور ﷺ کی ذات والا صفات کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ سرور عالم، آپ ﷺ ہی کا لقب ہے اور اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ یہ آپ ﷺ ہی کی ہستی گرامی تھی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برگزیدہ شخصیت اور جلال وعظمت کو اس جہان رنگ وبو میں ظاہر کیا، نیز ان پر عائد کردہ اتہامات کا پردہ چاک کر کے حقیقت کو طشت از بام کیا۔ بہ الفاظ دیگر ان کے حقیقی اوصاف ومحامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دی تھی، اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا۔ (اور) یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں حضرت مریم علیہا السلام پر جو بہتان باندھے تھے، ان کی علی رؤس الاشہاد تردید کر دی۔'' (سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۸۹)۔

اس ضمن میں مولانا تقی عثمانی صاحب نے حاشیے میں ایک اور دلیل کی نشان دہی کی ہے جس کو یہاں نقل کرنا باعث طوالت تو ضرور ہوگا مگر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ عثمانی صاحب فرماتے

Marfat.com

ہیں‘‘......ایک دلیل کتاب اعمال کے اس باب (۲: ۱ تا ۴۲) کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے جس میں روح القدس کے نزول کا واقعہ مذکور ہے۔اس میں لکھا ہے کہ جب روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں لوگوں کو نظر آئی، تو وہ بہت حیران ہوئے۔اس پر پطرس نے اس کی تشریح کی اور انہیں بتلایا کہ یہ روح القدس ہے جو تم پر برکت نازل کرنے کے لئے آئی ہے۔‘‘ (ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۴۰، ۳۴۱، حاشیہ)۔

’’سوال یہ ہے کہ اگر فارقلیط سے مراد یہی روح القدس تھی، تو جناب پطرس کو سب سے پہلے یہ بات کہنی چاہئے تھی کہ اس روح کے نزول سے تعجب کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔اس کے نزول کی بشارت خود حضرت مسیح علیہ السلام دے کر گئے ہیں۔حالانکہ جناب پطرس نے اپنی طویل تقریر میں کہیں اس بات کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ وہی فارقلیط ہے جس کا وعدہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا تھا اگر فارقلیط سے مراد یہ روح ہوتی تو جناب پطرس کے لئے یہودیوں کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقانیت ثابت کرنے کا بہترین موقع تھا، بالخصوص جب کہ جناب پطرس کی پوری تقریر یسوع مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت پر مشتمل ہے۔ایسے موقع پر تو وہ ہرگز اس بات کو کرنے سے نہ چوکتے۔‘‘ (ایضاً ص ۳۴۱، حاشیہ)۔

’’اس کے علاوہ کتاب اعمال کا مبینہ مصنف، لوقا، خود انجیل کا مصنف بھی ہے۔خود اس نے بھی پینٹی کوسٹ کا یہ واقعہ ذکر کر کے ایک لفظ بھی اس کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس طرح یسوع مسیح علیہ السلام کی فارقلیط والی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔حالانکہ بائبل کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے تمام مصنفین کا یہ معمول ہے کہ جب وہ کوئی ایسا واقعہ ذکر کرتے ہیں جس کی خبر کسی پچھلے نبی نے دی ہو، تو اس کا فوراً حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح فلاں نبی کا قول پورا ہوا (مثلاً دیکھیے انجیل لوقا ۳: ۴، ۴: ۱۹ اعمال ۱: ۲)۔(ایضاً ص ۳۴۱، ۳۴۲، حاشیہ)۔

’’لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لوقا نے روح القدس کے نزول کا قصہ بیالیس آیتوں میں ذکر کیا ہے مگر ان میں کہیں یہ نہیں کہا کہ اس واقعے کے ذریعے یسوع مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہوگئی ہے۔بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جناب پطرس نے یہاں حضرت یوئیل علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی بھی ذکر فرمائی اور کہا کہ ’’یہ وہ بات ہے جو یوئیل (علیہ السلام) نبی کی معرفت کہی گئی ہے‘‘ (اعمال ۲: ۱۶)۔مگر حضرت مسیح علیہ السلام کا کہیں نام نہیں لیا۔کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس فارقلیط کی خوشخبری دی تھی، اس سے مراد روح القدس کا نزول نہ تھا،

Marfat.com

بلکہ کچھ اور تھا؟'' (ایضاً ص۳۴۲، حاشیہ)۔

عثمانی صاحب موصوف کی یہ دلیل باوزن معلوم ہوتی ہے اور اس سے یہ بات بہ خوبی عیاں ہوجاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جس فارقلیط کے بارے میں بشارت دی تھی، اس سے نزول روح القدس نہیں، بلکہ خاتم الانبیا ﷺ کی تشریف آوری مراد تھی۔ اس حقیقت سے علمائے یہود مثلاً حضرت عبداللہؓ بن سلام (۴۰)، بن یامین (۴۱)، مخریقؓ (۴۲)، کعبؓ احبار (۴۳)، وہبؓ بن منبہ (۴۴) اور مسیحی علما مثلاً ابرہہ حبشی (۴۵)، بحیرؓ احبشی (۴۶)، حضرت جارودؓ (۴۷)، نجاشی بحشہ، ضغاطر وغیرہ بہ خوبی آگاہ تھے۔ اور یہی آگاہی اور حقیقت شناسی ان حضرات کے قبول اسلام کا سبب بنی۔ علاوہ بریں، ہرقل (قیصر روم)، مقوقس (شاہ مصر)، ابن صوریا (۴۸)، حی بن اخطب (۴۹) اور ابو یاسر بن اخطب (۵۰) جیسے سربرآوردہ لوگوں پر بھی یہ بات منکشف ہوگئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ نسلی تفاخر، تکبر وحسد اور شقاوت وبدبختی کے باعث یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور اس طرح آپ ﷺ کی شفاعت اور نجات آخروی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ افسوس صد افسوس۔

مندرجہ بالا بشارتیں اتنی واضح اور عیاں ہیں کہ کوئی سلیم الطبع شخص ان کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک مسیحی عالم، سعید بن حسن اسکندرانی نے جب انجیل مقدس میں موجود ان بشارات کا کھلے دل سے مطالعہ کیا، تو وہ راہ یاب ہوا اور اس نے اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لی۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ تبلیغ حق کی غرض سے اس موضوع پر ''محیط النظر'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب بھی تصنیف کی۔ (دیکھیے قصص القرآن، ج۴، ص۲۴۶)۔

❁❁❁

Marfat.com

کتاب اعمال کی بشارتیں

اناجیلِ اربعہ کے علاوہ، کتاب اعمال (The Acts of the Apostles)(۵۱) میں بھی آپ ﷺ کی آمد سے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے "پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں۔ اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع علیہ السلام کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بہ حال نہ کی جائیں، جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے، جو دنیا کے شروع سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا۔ اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔" (۳:۱۹تا۲۳)۔

دوسری بشارت کی عبارت کچھ یوں ہے۔

"یہ وہی موسیٰ علیہ السلام ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔" (۷:۳۷)۔

ان بشارتوں کا حوالہ کتاب استثنا کی پیشین گوئیوں کے تحت بھی گزر چکا ہے۔ بشارت اول کی عبارت پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نبی موعود سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ کوئی دوسری ہستی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس نبی کے ظہور قدسی اور ان سب چیزوں کی بہ حالی کے وقت تک جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے، آسمان ہی میں قیام فرما رہے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں بشارتوں میں موجود فقرہ "تمہارے بھائیوں میں سے" دراصل بنی اسماعیل مراد ہیں، جو نسلاً بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ اسی طرح "مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا" سے خاتم المرسلین ﷺ کی بعثت مقصود ہے، جو اصلاً اسماعیلی ہیں۔

❁❁❁

Marfat.com

یہوداہ کے عام خط میں درج شدہ بشارت

یہوداہ کے عام خط (The general Epistle of Jude) میں بھی ایک پیشین گوئی ان الفاظ میں منقول ہے۔

''ان کے بارے میں حنوک (Enoch) (۵۲) نے بھی، جو آدم علیہ السلام سے ساتویں پشت میں تھا، یہ پیشین گوئی کی تھی کہ دیکھو! خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا تا کہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینیوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں کے سبب جو انہوں نے بے دینی سے کیے ہیں اور ان سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گنہگاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھہرائے۔'' (۱۴:۱۵)۔

انگریزی تراجم (کنگ جیمز ورشن) اور کیتھولک ایڈیشن (۱۹۹۳ء) میں ''اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ کے بجائے بالترتیب ''With ten thousands of his holy ones'' اور ''With tne thousands of his saints'' مذکور ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس کی بحث کتاب استثنا کی بشارات کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

اس پیشین گوئی میں لفظ ''خداوند'' جس کا اطلاق بائبل میں بہ کثرت ''مخدوم'' اور ''معلم'' کے معنی میں کیا گیا ہے، سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ جہاں تک لفظ ''مقدسوں'' کا تعلق ہے، یہ بائبل میں زمین پر موجود نیک اور پاکیزہ مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کتاب ایوب (۵:۱) رومیوں کے نام کا خط (۱۲:۱۳ نیز ۱۵:۲۵) کے نام کا پہلا خط (۱:۲) فلپیوں کے نام کا خط (۱:۱) اور تیمتھیس کے نام کا پہلا خط (۵:۱۰)۔ اس بنا پر یہاں بھی اس کا اطلاق ایسے ہی لوگوں پر ہونا چاہیے۔ دراصل اس کا مصداق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جو فتح مکہ کے تاریخ ساز موقعے پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ نفوس قدسیہ تھے، جنہیں اس وقت زمین پر موجود پاکیزہ ترین مومنین ہونے کا فخر حاصل تھا۔

زیر بحث بشارت میں آنے والے آخری نبی کی آمد پاک کو بہ صیغہ ماضی (یعنی آیا کے ساتھ)

Marfat.com

بیان کیا گیا ہے۔ اس سے آپ ﷺ کی بعثت کی حتمیت اور قطعیت مراد ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، تو غلبہ پانے کے بعد آپ ﷺ نے وہی فرائض انجام دیئے جو بشارت مذکور کی دیگر عبارتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مشرکین و منکرین خدا کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ منافقین خطا کاروں نیز اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی سختی سے مذمت کی۔ یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان طرازی کرنے اور دیگر عقائد فاسدہ میں مبتلا ہونے پر سرزنش کی۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے عیسائیوں کو بھی راہ حق سے پھر جانے، حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں افراط سے کام لینے نیز صلیب پرستی اور مورتی پوجا میں ملوث ہونے پر نکیر کی (۵۳)۔ سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کی نوعیت افسانوی نہیں ہے بلکہ اس کی شہادت تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

مکاشفہ یوحنا میں منقول بشارتیں

آخر میں یوحنا عارف (۵۴) کے مکاشفے سے دو بشارتیں نقل کی جاتی ہیں۔ مکاشفۂ یوحنا، بائبل کی سب سے آخری کتاب ہے۔ اس کے باب دوم میں ایک بشارت کچھ یوں ہے۔

''جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ، میں نے بھی اختیار اپنے باپ سے پایا ہے۔ اور میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا۔ جس کے کان ہو وہ سنے کہ روح کلیساؤں سے کیا فرماتا ہے۔'' (۲۶ تا ۲۹)۔

اس میں جس غالب کو قوموں پر اختیار اور تسلط دینے نیز لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرنے کی بات کہی گئی ہے، اس کا مصداق حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کی درج ذیل آیت شریفہ سے ہوتی ہے۔

''وینصرک اللہ نصراً عزیزاً۔ ۴۸: ۳ اور اللہ آپ ﷺ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو یعنی جس کے بعد پھر آپ ﷺ کو کبھی دبنا ہی نہ پڑے'' (دیکھیے القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر اختصار شدہ بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی، دہلی، ص ۶۱۴، ۶۱۵)۔ اس کے علاوہ مشہور کاہن، سطیح (صاحب الھراوۃ) نے بھی آپ ﷺ ہی کو اس کا مصداق ٹھہرایا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شب ولادت میں کسریٰ نوشیروان (متوفی ۵۷۹ء) کا ایوان پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے۔ آتش فارس جو ایک ہزار سال سے روشن تھی، بجھ گئی اور ساوہ کا چشمہ بھی خشک ہو گیا۔ (۵۵)، تو نوشیروان کو خاصی پریشانی لاحق ہوئی، چنانچہ اس نے عبدالمسیح کو سطیح کاہن کی خدمت میں ملک شام بھیجا تا کہ ان واقعات کے بارے میں ثانی الذکر کی رائے معلوم کی جاسکے۔ عبدالمسیح جب اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ قریب مرگ تھا۔ لیکن عبدالمسیح نے موقعے کو غنیمت جان کر مذکورہ تمام واقعات کی تفصیل فوراً بیان کر دی۔ سطیح نے اس کو بہ غور سماعت فرمایا اور یہ جواب عنایت کیا۔

''جب تلاوت کی کثرت ہو، لاٹھی والا ظاہر ہو جائے ساوہ کا چشمہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے، تو اس کے بعد اہل فارس کے لئے بابل میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ سطیح کے

Marfat.com

لئے شام میں کسی خواب گاہ کی۔ اہل فارس میں آئندہ چند مرد و عورت بادشاہ ہوں گے، جو کنگروں کے شمار کے مطابق ہوں گے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔"

اس کے معاً بعد سطیح کا انتقال ہوگیا۔ عبدالمسیح وہاں سے واپس چلا آیا اور آ کر نوشیروان کو سطیح کے جواب سے آگاہ کیا۔ نوشیروان نے سوچا کہ چودہ بادشاہوں کی بادشاہت کے لئے تو خاصا طویل عرصہ درکار ہے۔ لہذا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ مگر اس کی یہ قیاس آرائی اور خوش فہمی غلط ثابت ہوئی۔ دس بادشاہ تو صرف چار سال کی قلیل مدت میں ختم ہو گئے اور باقی بھی حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت تک ختم ہو گئے۔ ان کے سب سے آخری بادشاہ کا نام یزدگرد تھا۔ یہ بھی خلافت عثمانی میں ہلاک ہوا۔ (۵۶)۔

زیر بحث بشارت میں "میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا" بھی مذکور ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ فرماتے ہیں کہ "صبح کے ستارے" سے مراد قرآن کریم ہے۔ موصوف نے اپنے قول کی تائید میں درج ذیل آیات پیش کی ہیں۔

(۱) "وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔ ۴:۱۷۵۔ اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی۔"

(۲) فامنو بال ورسوله والنور الذی انزلنا۔ ۶۴:۸۔ پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر جسے ہم نے نازل کیا۔"

دوسری بشارت حسب ذیل ہے۔

(یوحنا کہتے ہیں) "پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ (۱) ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے (۲) جو سچا اور برحق کہلاتا ہے (۳) اور وہ راستی کے ساتھ انصاف (۴) اور لڑائی کرتا ہے (۵) اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند ہیں (۶) اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں (۷) اور اس کا نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (۸) اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے (۹) اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے (۱۰) اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے (۱۱) اور قوموں کے مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے (۱۲) اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا (۱۳) اور وہ قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندے گا (۱۴) اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے "بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوند کا خداوند" (۱۹:۱۱ تا ۱۶)۔

مکاشفہ (۶:۲) میں بھی سفید گھوڑے اور اس کے سوار کا ذکر آیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس کا سوار کمان لیے ہوئے ہے۔ اسے ایک تاج

Marfat.com

دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا نکلا تا کہ اور بھی فتح کرے۔''

اس مکاشفے میں گھوڑے کے سوار کے صاحب کمان اور صاحب فتح وظفر کی علامت بیان ہوئی ہے جبکہ مندرجہ بالا مکاشفے (۱۹:۱۱) میں سفید گھوڑے کے سوار کے نام کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ دونوں باتیں حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔

دونوں مکاشفوں میں درج شدہ باتوں کی تشریح ذیل میں بہ اختصار درج کی جاتی ہے۔

(۱) حضور اکرم ﷺ سفید گھوڑے پر سوار ہوتے تھے جس کا نام بحر تھا۔ آپ ﷺ عربی کمان بھی ہاتھ میں رکھتے تھے۔ بسا اوقات خطبے کے وقت بھی کمان ہاتھ میں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمان چلانے کی تاکید فرماتے۔ حدیث میں ہے: ارموا فان اباکم کان رامیا (تیر چلایا کرو کیونکہ تمہارے باپ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرانداز تھے)۔

آپ ﷺ کے لئے فتح مبین ہونے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ بہ قول قاضی سلیمان منصور پوریؒ سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ جس کام کے لئے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اسے درجہ کمال تک پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو وعدے کی زمیں پہنچانے سے پہلے اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنی بہت سی باتیں بتانے سے پہلے دنیا سے کوچ کر گئے۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۴۵، حاشیہ)۔

(۲) سچا، صادق، برحق اور امانت دار امین کا ترجمہ ہے۔ اہل مکہ آپ ﷺ کو صادق وامین کہتے تھے۔

(۳) ''وہ راستی کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔'' اس مفہوم کی پیشین گوئی یسعیاہ (۴۱: ۳) میں بھی ہے۔ یوحنا نے اسی کا اعادہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کے زمانے سے ہے۔

(۴) ''اور (وہ) راستی کے ساتھ لڑائی کرتا ہے۔'' بہ قول قاضی سلیمان منصور پوریؒ راستی کے ساتھ لڑنے کی صفت بھی بتائی گئی تا کہ کوئی پادری غلطی سے اس مکاشفے کو کسی اور پر چسپاں نہ کرے کیونکہ اس سوار کے لئے مجاہد وغازی ہونا ضروری ہے۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۴۵، حاشیہ)۔

(۵) ''اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند ہیں۔'' جن کتابوں میں حضور پر نور ﷺ کا حلیہ شریف بیان ہوا ہے ان میں آپ ﷺ کی آنکھوں میں سرخی ہونا مندرج ہے۔ یہ روایت عام ہے کہ آپ ﷺ کی چشم مبارک میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔

Marfat.com

(۶) ''اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں۔'' انبیائے کرام میں ہر ایک کی شان جدا ہے۔ کوئی واعظ ہے (حضرت سلیمان علیہ السلام) تو کوئی مبشر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)، کوئی منذر ہے (حضرت نوح علیہ السلام) تو کوئی منجی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی مناظر ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) تو کوئی مجاہد (حضرت داؤد علیہ السلام)۔ لیکن خاتم الانبیا ﷺ کی ذات پاک جملہ صفات کی جامع ہے۔ اسی لیے رب ذوالمنن کا ارشاد ہے ''یا یھا النبی انا ارسلنک شاھداً و نذیراً و دعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً۔ ۳۳: ۴۵، ۴۶۔ اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو شاہد مبشر، نذیر، داعی، الی اللہ اور روشن کر دینے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔'' سر پر بہت سے تاج ہونے سے مراد آپ ﷺ کا جامع صفات ہونا ہے۔

(۷) ''اس کا ایک نام لکھا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا'' آپ ﷺ کا ایک اسم مبارک ''احمد'' ہے، جو پہلے کسی کا نام نہیں ہوا۔ یہاں یہی نام پاک مراد ہے۔

(۸) ''اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے۔'' اس میں حادثہ طائف کی جانب اشارہ ہے۔ طائف میں جب آپؐ منادی فرمار ہے تھے، تو آپ ﷺ کا تمام جسم پتھر کھاتے کھاتے لہولہان ہو گیا تھا اور لباس خون میں تر، جسم کا خون بہہ بہہ کر ایسا جم گیا کہ وضو کے لئے جوتا اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ا، ص ۴۶ حاشیہ)۔

(۹) ''اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے'' اس کی تشریح کرتے ہوئے قاضی سلیمان منصور پوریؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی یہ علامت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سب سے آخری وعظ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری وعظ میں خصوصیت سے بیان کی تھی۔ اب یوحنا حواری نے بھی بیان کی جس سے معلوم ہوا کہ یوحنا کے مکاشفے تک کلام خدا والی علامت کا پورا ہونا باقی تھا۔ پس یہ قرآن ہی ہے جس کی بابت خدا خود فرماتا ہے: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ ۵۳: ۳، ۴۔ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو کلام خدا ہے جو ان پر نازل کیا گیا ہے'' (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ا، ص ۴۶ حاشیہ)۔

(۱۰) ''آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔'' آسمانی فوج سے مراد فرشتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تائید و حمایت کے لئے فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے، جس کی توثیق قرآن کریم کی اس آیت شریفہ سے ہوتی ہے ''والملئکۃ بعد ذالک ظھیر۔ ۶۶: ۴۔ یعنی فرشتے بھی اس کے مددگار اور حمایتی ہیں۔'' جہاں

Marfat.com

تک فرشتوں کے صاف کپڑوں کا تعلق ہے، بقول قاضی سلیمان منصور پوریؒ یہ نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں ہیں۔ آپ ﷺ کو سفید لباس محبوب تھا۔ آپ ﷺ کے علم کا رنگ بھی سفید تھا۔ امتناع جنگ اور قیام صلح کے لئے بھی پھریرا ہی اڑایا کرتے تھے۔ (دیکھیے مصدر مذکورہ بالا)۔

(۱۱) ''اور قوموں کو مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے'' اس سے جہاد مراد ہے۔ جن لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا اس کا بیان بھی اسی مکاشفے کی ۱۸ سے ۲۱ آیات تک میں کر دیا گیا۔

(۱۲) ''وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا۔'' یہی بات زبور (۲:۹) میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے ''تو ان کو لوہے کے عصا سے توڑے گا۔'' قاضی سلیمان منصور پوریؒ فرماتے ہیں کہ مکاشفے میں زبور کے الفاظ دہرانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان الفاظ کا جو کوئی مصداق ہے وہ یوحنا کے بعد آنے والا ہے۔ پس وہ یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، کیونکہ پھر کوئی بھی حضور (ﷺ) کے سوا وحی، نبوت اور سلطنت محکم کا جامع نہیں ہوا۔ (دیکھیے مصدر مذکور)

(۱۳) ''وہ قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندے گا۔'' یہ عبارت رحمتہ للعالمین میں اس طرح منقول ہے ''اور وہ خود قادر مطلق خدا کے قہر وغضب کے کولھو میں روندتا ہے۔'' (ج ۱، ص ۴۴، حاشیہ)۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی تشریح کے بہ موجب، سرکش قبائل کا تباہ وخراب ہونا، قیصر و کسریٰ کو نافرمانی محمد ﷺ کی سزا ملنا خدا کے قہر ہی سے تھا۔ (دیکھیے نفس مصدر، ص ۴۶، حاشیہ)۔

(۱۴) ''اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے بادشاہوں کا بادشاہ، خداوندوں کا خداوند۔'' آپ ﷺ کے القاب عالیہ میں سے امام الانبیا اور سید المرسلین بھی ہیں، اور مکاشفے کے الفاظ سے دراصل یہی مراد ہے۔ (دیکھیے نفس مصدر)۔

الغرض جس ستودہ صفات ہستی کی تشریف آوری کی بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام و دیگر نامی گرامی پیغمبروں نے دی اور اہل کتاب حضرات جس کی آمد کے منتظر تھے، وہ بالآخر ربیع الاول کے مبارک مہینے میں اس جہان فانی میں جلوہ افروز ہو کر ''محمد ﷺ'' اور ''احمد ﷺ'' کے اسمائے خاص (Proper names) سے موسوم اور خاتم الانبیا والمرسلین کے مخصوص لقب سے ملقب ہوئی۔ نبیوں کے خاتم، محمد ﷺ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے

Marfat.com

کہ آپ ﷺ نے اپنے نورانی وجود، دعوت توحید خالص اور دیگر پاکیزہ تعلیمات کی برکت سے اس دنیائے دنی کو رشک جنت بنا دیا جو کسی اور نبی سے نہیں ہو سکا۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے گنہگاروں اور بد بختیوں کے لئے بخشش اور نجات کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ اس لیے ان کی محبت کا دم بھرنا، ان کے گن گانا، درود و سلام کے ذریعے خود کو ان کے دربار عالی میں اکثر و بیشتر حاضر رکھنا اور ان کی سنت کی زیادہ سے زیادہ پیروی کرنا ہم عاصیوں اور سیاکاروں پر واجب ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

اختتامیہ

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم ﷺ سے متعلق پیشین گوئی کے سلسلے کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوئی، جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ بعدازاں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے بھی آپ ﷺ کے بارے میں بشارات دیں، جو کتاب استثنا، کتاب ہارون، زبور اور غزل الغزلات میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں، کتاب یسعیاہ، کتاب یرمیاہ، کتاب دانیال، کتاب حبقوق، کتاب حجی اور کتاب ملاکی میں بھی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے متعلق پیشین گوئیاں وارد ہوئی ہیں، جن کی مفصل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح انجیل برنباس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے خاتم النبیین والمرسلین ﷺ کی آمد پاک کی بشارتیں مذکور ہیں۔ اس کی تفصیل بھی گزشتہ صفحات میں فراہم کی جا چکی ہے۔ جہاں تک عہد نامہ جدید کا تعلق ہے، اس میں بھی آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں منقول ہیں۔ اس سلسلے میں اناجیلِ اربعہ، کتاب اعمال، یہودا کا عام خط اور مکاشفات یوحنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس واضح اور ثابت شدہ حقیقت کی تائید قرآن کریم کی آیت شریفہ۔ ''وانہ لفی زبر الاولین'' (۲۶:۱۹۶) ترجمہ: بلاشبہ ان کا ذکر پچھلوں کے صحیفوں میں ہے، سے بھی ہوتی ہے۔

الغرض آپ ﷺ سے متعلق بشارتوں کے سلسلے کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوا اور اس کا اختتام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مژدہ جاں فزا پر ہوا، جس میں آپؑ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام ''احمد'' ہوگا۔ چنانچہ، اس مبارک سلسلے کی ابتداء اور انتہا کے پیش نظر ہی سرکار دو عالم ﷺ نے مختصر اور جامع انداز میں ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور نوید عیسیٰ علیہ السلام ہوں'' (انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشری عیسیٰ۔ بہ حوالہ ق ق، ج ۴، ص ۲۴۸)۔

آخر میں، میں یہ پھر عرض کرنا چاہوں گا کہ اس بحث سے کسی کی تذلیل واہانت اور تضحیک تمسخر نہیں، بلکہ حقائق کی صحیح ترجمانی وعکاسی مقصود ہے۔ امید ہے کہ انصاف پسند اہل کتاب مندرجات بالا پر ٹھنڈے دل سے غور فرما کر حقیقت شناسی کا ثبوت دیں گے۔ ان کے اس حقیقت پسندانہ موقف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی دوری میں خاصی کمی واقع ہوگی اور دونوں ایک دوسرے کے قریب تر ہوں گے۔ اگر ایسا ہوا تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری سعی حقیر مشکور ہوئی۔

Marfat.com

تعلیقات وحوالہ جات

(۱) چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں رئیس اور مطاع تھے اور اپنے احکام اپنی امت پر پوری طاقت اور جبر سے نافذ کرتے تھے۔ اس لیے ان کو حاکم کہا گیا۔ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۳۳، ۲۶۲، ۲۶۳)۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برخلاف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں نرمی کا پہلو غالب تھا اور پھر ان کے متبعین کی تعداد بھی بہت کم تھی، جس کی وجہ سے وہ اپنی شریعت کو بہ جبر نہیں نافذ فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کو محض راسم (قانون دینے والا) قرار دیا گیا۔ (ایضاً)۔

(۳) یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۲ء (کیمبرج) میں لفظ ''شیلون'' ہے اور پوری آیت یوں ہے ''لایزول قضیب من یهود او مشرع من بین رجلیه حتی یاتی شیلون، وله یکون خضوع شعوب'' (۴۹:۱۰)

(۴) مگر موجودہ انگریزی ترجمہ مطبوعہ (۱۹۷۹ء U.S.A) میں ''Shiloh'' تحریر ہے۔ پوری عبارت بہ ایں طور ہے۔

"The scepter shall not depart from Judah. nor a lawgiver from between his feet, untul shiloh come: and unto him shall the gathering of the people be" (49:10)

(۵) ان مذکورہ حضرات نے اپنی جن تصانیف میں اس بشارت کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے، ان کی تفصیل بالترتیب یہ ہے:

(الف) اظہار الحق (اردو ترجمہ بہ عنوان ''بائبل سے قرآن تک'' ج ۳، دیوبند، ص ۲۳۰ تا ۲۴۲)۔

(ب) الخطبات الاحمدیہ، لاہور، ص ۳۶۵ تا ۳۷۰۔

(ج) قصص القرآن، ج ۴، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۲۵ تا ۲۳۰۔

(د) رحمۃ للعالمین، ج ۱، دہلی، ۱۹۸۰ء، ص ۹۶، ۹۷ (حاشیہ نمبر ۱) اور ص ۱۸۳، ۱۸۴ (حاشیہ نمبر ۳)۔

(ہ) سیرت النبی، ج ۳، اعظم گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۸۱۷ تا ۸۲۱۔

(و) سیرت سرور عالم، ج ۱، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

Marfat.com

(۶) اس لیے کہ بہ قول مولانا عثمانی، جب یہ کہہ دیا گیا کہ وہ ''نبی'' تمہارے درمیان سے مبعوث کیا جائے گا اور مخاطب بنی اسرائیل ہیں، تو لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (وہ) تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۴۶، حاشیہ نمبر ۱)۔

(۷) البدایہ والنہایہ، ج ۲، بہ حوالہ قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۵۳، یہی وجہ ہے کہ جب نبی امی مبعوث ہوئے، تو علمائے یہود کو آپ ﷺ کو پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی اور کتمان حق کے باعث نہ تو خود ایمان لائے اور نہ لوگوں کو ایمان لانے دیا۔ قرآن کریم کی آیت شریفہ۔ الذین اٰتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم (۶:۲۰،۲:۱۴۶)۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، میں ان کے اسی رویے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

(۸) عربی میں ایک لفظ ''رَبوۃ'' بھی ہے جس کی جمع ''رُبیَ'' ہے اور جس کے معنی ٹیلے یا پہاڑ کے ہیں (دیکھیے الفوائد الدریۃ از J.G.Havah بیروت، ۱۹۶۴ء، ص ۲۳۹) یہ لفظ ٹیلے کے معنی میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔

(۱) مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین ج فان لم یصبھا وابل فطل. (۲:۲۶۵)

''اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو رضائے الٰہی کے حصول نیز اپنے دلوں میں ثبات و پختگی پیدا کرنے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں، ایک ایسے باغ کی حالت کے مثل ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دونا چوگنا پھل لایا ہو، اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے، تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔''

(۲) وجعلنا ابن مریم وامہ اٰیۃ اوینھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین ۔(۲۳:۵۰)
ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو نشانی بنایا اور ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو قابل رہائش اور شاداب تھی۔

''رِبوۃ'' (دس ہزار) اور ''رَبوۃ'' (ٹیلہ) میں خاص مماثلت پائی جاتی ہے۔ صرف زیر وزبر کا فرق ہے۔ اسی لیے غالباً التباس پیدا کرنے کی غرض سے بائبل کے عربی ترجمے میں ''رِبوۃ'' کی جمع ''رِبوات'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح استثنا

Marfat.com

کی محولہ آیت کے جملے کا مطلب ''وہ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا'' بھی ہو سکتا ہے اور ''وہ قدس (یروشلم) کے ٹیلوں سے آیا'' بھی۔ اس میں چوں کہ فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے اس لیے اس تحریف کے ذریعے اس پر پردہ ڈالنے کی سعی نامشکور کی گئی ہے۔ آگے متن میں بھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۹) Ptolemy جیسے مشہور و معروف یونانی جغرافیہ داں مکہ (قدیم بکہ) کو ''Macoraba'' لکھتے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے بعض عیسائی محققین مثلاً P.K. Hutti مکہ کو جو تہامہ میں واقع ہے اور جسے قرآن کریم میں ''وادی غیر ذی زرع'' قرار دیا گیا ہے۔ لفظ ''Makuraba'' سے مشتق تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"The name Makkah, the Macoraba of plotemy, comes from Sabean Makuraba, meaning sancurary, which indicates that it owes its foundation to some religious centre long before Muhammad was born. It lies in the Tihama of Southern al-Hijaz, about forty eight mules from the Red Sea, in a barren rocky valley descibed in the Koran (14:40) as unfit for ciltivation." (History of the Arabs, London, 1972,p(103).

اگرچہ مکہ کی اصل سے متعلق حطی کا خیال محل نظر ہے تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یونانی تاریخ و ادب میں ''Macoraba'' مکہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مکہ اور اس کی اولین شکل بکہ کی اصل سے متعلق قدرے مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

(۱۰) ''محمد'' رسول اللہ ﷺ کا ذاتی نام یعنی اسم علم ہے۔ یہ اسمِ پاک حضور اکرم ﷺ کے دادا، حضرت عبدالمطلب، کا رکھا ہوا ہے (دیکھیے سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۷۲: الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۰، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، دہلی، ۱۹۸۰ء ص ۳۹، ۲۹۸، حیات محمد (اردو) از محمد حسین ہیکل، دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۵، نبی رحمت از مولانا ابوالحسن علی ندوی، لکھنو، ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۳ اور سیرت سرور عالم، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۸۴ء، ص ۹۵)۔ شیخ محمد خضری بک کے بیان کے مطابق، اس نام کے رکھنے کے بارے میں آپ ﷺ کے دادا کو خدا کی طرف سے الہام ہوا تھا، اور اس کا اصل مقصد آپ ﷺ سے متعلق کتب

Marfat.com

سابقہ میں موجود بشارتوں کو سچ ثابت کرنا تھا۔ بیان مذکور کی اصل عبارت یوں ہے۔

''ولما ولد ارسلت امه لجده تبشرة. فاقبل مسروراً وسماه محمداً ولم یکن هذا الاسم شائعاً عندالعرب ولکن اراد الله ان یحقق ماقدره وذکره فی الکتب التی جاء ت بها الانبیاء کالتوراة والانجیل. فالهم جده ان یسمیه بذالک انفاذاً الامره.'' (نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، دارالجلیل، بیروت، تاریخ طباعت مذکور نہیں، ص ۸)۔

اس کے برخلاف، سیرت ابن اسحاق (اردو ترجمہ ۱۹۹۰ء، ص ۴۱،۱۰) اور تاریخ الطبری (ج ۱، بیروت ۱۹۸۳ء، ص ۵۷۲) میں درج روایات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دادا جان کو اس سلسلے میں کوئی ابہام نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ، حضرت آمنہ، کو خواب میں (فرشتے کے ذریعے) یہ تلقین کی گئی تھی کہ بعد پیدائش وہ آپ ﷺ کا نام ''محمدؐ'' رکھیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ تولد پذیر ہوئے، تو آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ ﷺ کے دادا جان کو بلوا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے، تو حضرت آمنہ نے انہیں اپنے اس خواب کے بارے میں بتلایا، جس میں نومولود بچے کا نام ''محمدؐ'' رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ دادا موصوف نے آپ ﷺ کو اٹھالیا اور کعبے کے اندر ہبل کے پاس لے گئے۔ وہاں انہوں نے اللہ سے دعا کی اور اس عطائے بے بہا پر اس کا شکر ادا کیا۔ اس موقعے پر انہوں نے چند برجستہ اشعار بھی پڑھے اور اس کے بعد آپ ﷺ کو واپس حضرت آمنہ کے حوالے کردیا۔ یہ راقم کا خیال ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اسی غیبی تلقین وہدایت پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ کا نام نامی ''محمدؐ'' رکھا اور کعبے میں اس کا باقاعدہ اعلان فرمایا (دیکھیے السیرۃ النبویۃ، ج ۱، از ابن ہشام، بیروت، ص ۱۴۵، ۱۴۷)۔ اہل عرب کے لئے یہ نام بالکل نیا نہیں تھا بلکہ اس کے بارے میں انہوں نے اہل کتاب سے بہت کچھ سن رکھا تھا اور کچھ لوگ تو اس نام سے مانوس بھی تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تاریخ واقدی (بہ حوالہ الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۸) اور طبقات ابن سعد (بہ حوالہ رحمتہ اللعالمین، ج ۲، ۲۹۹، سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴) میں مندرجہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ کو خواب میں فرشتے کے ذریعے آپ ﷺ کا نام ''احمدؐ'' رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مولانا مودودیؒ نے ان دو مختلف روایتوں کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں ''ممکن ہے یہ دو نام مختلف خوابوں میں بتائے گئے ہوں، کیونکہ حضور ﷺ کے یہ دونوں ہی نام احادیث سے ثابت ہیں'' (سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴، ۹۹۵)۔ مولانائے موصوف کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے ان

Marfat.com

دونوں اسمائے گرامی سے متعلق ایک حدیث جو حضرت جبیرؓ بن مطعم سے مروی ہے، یہ ہے:

''قال قال رسول اللہ ﷺ لی خمسة اسماء انا محمد و احمد و انا الماحی الذی یمحو اللہ به الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی و انا العاقب''

کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدائے تعالیٰ میرے ذریعے کفر کافور کرے گا، میں حاشر ہوں کہ سب لوگ میرے قدم یا قدموں پر قیامت کے دن اٹھیں گے یعنی اس روز سب سے پہلے میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوں گا، میں عاقب یعنی آخری پیغمبر ہوں۔ (صحیح البخاری، جلد اول، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ۔ ص ۵۰۱)۔

صحیح مسلم کی دو مختلف حدیثوں میں ''العاقب'' کے بعد ''الذی لیس بعده نبی'' اور ''الذی لیس بعده احمد'' ہے (دیکھیے صحیح مسلم مترجم، باب اسمائہ ﷺ، ج ۶، دہلی، ص ۵۱، ۲۵) اور جامع الترمذی ج ۲، باب ماجاء فی اسماء النبی ﷺ ص ۱۰۷ میں ''الذی لیس بعد نبی'' (یعنی میرے بعد کوئی نہیں) آیا ہے۔ تاریخ الطبری میں بھی اس سے ملتی جلتی دو روایتیں منقول ہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور روایت بھی مندرج ہے، جس میں محمد، احمد اور حاشر کے ساتھ ساتھ مقفی اور نبی التوبہ و الملحمة بھی مرقوم ہیں (دیکھیے، ج ۲، بیروت ۱۹۸۳ء، ص ۴۲۵)۔ اس میں پانچ اسمائے مبارک مذکور ہیں۔ ان میں سے ابتدائی دو، جن کے معنی نہیں بتائے گئے، ذاتی نام ہیں، اور بعد کے تین نام، جن کے معنی کی وضاحت کی گئی ہے، وصفی ہیں۔ اس سلسلے میں قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے ایک اہم اور قابل ذکر نکتہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر محمد اور احمد میں سے کوئی ایک نام بھی وصفی ہوتا، تو آپ ﷺ اس کے معنی اسی طرح بیان فرما دیتے جیسا کہ اسم نمبر ۳، نمبر ۴، کے معنی بتائے تھے۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۲، ص ۳۰۰)۔

ایک اور قابل توجہ بات: اس حدیث میں صرف پانچ اسمائے مبارک مذکور ہیں، لیکن قرآن کریم اور دیگر احادیث شریفہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اسمائے صفات والقاب کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۱۱ تا ۲۱۷ اور رحمتہ للعالمین، ج ۳، ص ۱۷۸ تا ۱۹۸)۔ اس ضمن میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں جو پانچ کے عدد کی صراحت کی گئی ہے وہ بہ قول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حصر کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس جگہ ان اسمائے وصفات کا ذکر ہے، جو کتب سابقہ اور امم واقوام ماضیہ میں آپ ﷺ سے متعلق مشہور ومعروف نیز بشارات اور پیشین گوئیوں میں مسطور تھے۔ (دیکھیے صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۰۱،

Marfat.com

حاشیہ اور قصص القرآن ج ۴، ص ۴۱۵)۔

چوں کہ یہاں اسم پاک ''محمدؐ'' زیر مطالعہ ہے، اس لیے ساری توجہ اسی پر مرکوز ہے۔ جہاں تک نام مبارک ''احمدؐ'' کی بابت بحث کا تعلق ہے، یہ کتاب یوحنا کی بشارتوں کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتانا کافی ہوگا کہ ''محمدؐ'' کی طرح اہل عرب، جیسا کہ بعض روایت واشعار سے پتا چلتا ہے، اس لفظ سے بھی آشنا تھے، آگے بڑھنے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسم گرامی ''محمدؐ'' یا ''احمدؐ'' سے متعلق حضرت آمنہ کے خواب کی نوعیت بعینہ وہی ہے جو تورات اور انجیل میں موجود حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی درج ذیل بشارات کی ہے۔

(الف) ''خداوند کے فرشتے نے اس (حضرت ہاجرہ) سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا، اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش ۱۶:۱۱)۔

(۲) ''فرشتہ نے اس سے کہا: اے مریم! خوف نہ کر، کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔'' (لوقا ۱: ۳۰، ۳۱)۔

لفظ ''محمدؐ''، ''تحمید'' سے مشتق ہے، جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اصل میں یہ مُفَعَّل کے وزن پر ''تحمید'' کا اسم مفعول ہے (Past Participle) ہے۔ اس کے متعدد معنی بتائے گئے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(الف) وہ ذات جس کی تعریف وتوصیف کی گئی (The praised one)۔ یہ نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ ہے۔

(۲) وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے (Much praised, higly louded) اور اس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔

(۳) وہ ذات جس کی تعریف بے اختیار کی جائے۔

(۴) وہ شخص جو بہ کثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو۔

(۵) وہ ہستی جس کا جز جز قابل تعریف ہو۔

(۶) مجموعہ صفات حسنہ۔

(۷) مخلوق کامل۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۰۱، حاشیہ ۱: السیرۃ النبویہ، ج ۱، حاشیہ مفردات القرآن (المفردات فی غریب القرآن کا اردو ترجمہ) از راغب اصفہانی، لاہور،

Marfat.com

۱۹۶۳ء، ص ۲۴۵)۔ قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۶۱ ۲، تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی، ج ا، لکھنؤ ۱۹۹۵ء ص ۶۴۰ نیز ضمیمہ از مولانا عبدالرحمٰن ندی، مشمولہ تفسیر مذکور ص ۶۸۱ تا ۶۸۵، A Dictionany and Glossary of the Koran by John Penrice, -Delhi, 1978, p.38.

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، لفظ ''محمد'' اہل عرب کے لئے یکسر نیا نہیں تھا، بلکہ وہ اس سے واقف تھے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے یہ کسی اور کا نام تھا یا نہیں۔

اس سلسلے میں علماء محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ محمد حسین ہیکل کے بہ قول، اہل عرب اس لفظ سے آشنا تو ضرور تھے، لیکن آپ ﷺ سے پہلے کسی نے یہ نام نہ رکھا تھا (دیکھیے حیات محمد (اردو)، ۱۹۸۸ء ص ۱۱۵)۔ محمد سلیمان منصور پوریؒ اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی کا بھی یہی خیال ہے (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ا، ص ۴۵، حاشیہ۔ نیز دیکھیے تفسیر ماجدی، ج ا، ضمیمہ، ص ۶۸۱)۔

لیکن سرسید کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق، واقدی و دیگر علمائے اسلام نے یہ تسلیم کیا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے عرب میں اس نام کے اور لوگ بھی گزرے تھے۔ موصوف کے بیان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

''......علمائے اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آں حضرت ﷺ سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے انہوں نے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کر دیا اور نہایت تدین اور ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب کوشش کی کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گزرے تھے اور واقدی کو بھی ہم انہی لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔'' (الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۹)۔

مولانا مودودی اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی بھی یہی رائے ہے (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴، حاشیہ اور تفسیر ماجدی، ج ا، ص ۶۴۰، حاشیہ ۲۸۲)۔ تاریخ وادب کی کتابوں میں اس سلسلے میں جو اس قسم کی صراحت ملتی ہے کہ ''لم یکن ھذا الاسم شائعا قبل عندالعرب یالم یکن شائعا بین العرب ھذا الاسم'' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ نام عرب میں بالکل رائج ہی نہ تھا، بلکہ بہ قول مولانا دریابادیؒ اس سے دراصل یہ مراد ہے کہ عام طور سے یہ نام عرب میں شائع نہ تھا نیز حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا (دیکھیے تفسیر ماجدی، ایضاً) ان دونوں حضرات نے اپنے قول کی تائید میں تاریخی شواہد بھی پیش کیے ہیں اور اپنی اپنی تحقیق وجستجو کے بہ موجب، اس نام سے موسوم لوگوں کی تعداد کی صراحت بھی کی ہے۔ مولانا دریابادیؒ نے کتاب المعتبر از ابوجعفر محمد بن

Marfat.com

حبیب بغدادی، تاج العروس اور لسان العرب کے حوالے سے اس نام کے لوگوں کی تعداد سات بتائی ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے ابن خالویہ اور سہیلی، عبدان المروزی، قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے بالترتیب تین، چار، چھے اور پندرہ تحریر فرمائی ہے (دیکھیے مصادر مذکور)۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن ہشام کی السیرۃ النبویہ میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف تین منقول ہے (دیکھیں ج ۱، ص ۱۴۵، ۱۴۶، حاشیہ)۔

تعداد کے سلسلے میں پائے جانے والے اختلاف سے قطع نظر، مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی عرب میں کچھ لوگوں کا نام ''محمد'' تھا مزید برآں، حافظ ابن حجر عسقلانی (صاحب اصابہ) کے ایک بیان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان میں سے بعض نے حضور ﷺ کا زمانہ پایا اور اسلام بھی قبول کیا۔ محمد بن عدی بن ربیعہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴، حاشیہ)۔

عرب کے بعض لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام ''محمد رکھے تھے، تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہود و نصاریٰ اور کاہنوں سے یہ سن رکھا تھا کہ سرزمین عرب میں اس نام کا ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، جو بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ ان میں سے ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ اس کا لخت جگر ہی نبی آخر الزماں ہونے کا شرف حاصل کرے۔ (دیکھیے السیرۃ النبویہ، ص ۱۴۵، ۱۴۶، الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۸ اور سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴، حاشیہ)۔

اس کی تائید درج ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

(الف) ''محمد بن عدی بن ربیعہ (جن کا ذکر سطور بالا میں آیا) سے جب پوچھا گیا کہ جاہلیت میں آپ کے والد نے آپ کا نام ''محمد'' کیسے رکھ دیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم شام میں سفر کر رہے تھے۔ ایک دیر (عیسائی خانقاہ) پہنچے، تو صاحب دیر نے کہا کہ تمہاری قوم میں ایک نبی آنے والا ہے، جو آخری نبی ہوگا۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہوگا۔ اس نے کہا ''محمد''۔ اس کے بعد ہمارے ہاں جو لڑکا بھی پیدا ہوا، اس کا نام ''محمد'' رکھا گیا (اصابہ از حافظ ابن حجر عسقلانی بہ حوالہ سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۹۴، حاشیہ، یہ روایت سیرت سرور عالم، ج ۲، میں یوں ہی منقول ہے، مگر اس میں کچھ خلا سا محسوس ہوتا ہے)۔

(۲) دوسری روایت، جو محمد بن سفیان بن مجاشع سے متعلق ہے، مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل ہے۔

''کان سفیان اتی الشام تنزل علی راهب فاعجبته فصاحته وعقله فسأل

Marfat.com

الراهب عن نسبه فانتسب له الیٰ مضمر فقال له اما انه يبعث في العرب نبی يقال له محمد فسمی سفیان اب محمداً (کتاب المعتبر، ص۱۳۰ بہ حوالہ تفسیر ماجدی، ج۱، ص ۲۴۰، حاشیہ ۲۸۲)۔ اس روایت کا لب لباب یہ ہے کہ محمد بن سفیان کے والد نے ایک شامی راہب سے یہ سن کر کہ عرب میں مبعوث ہونے والے آخری نبی کا اسم مبارک ''محمد'' ہوگا، یہ نام اپنے فرزند ارجمند کا رکھ دیا، اس امید پر کہ شاید یہ سعادت اسی کو حاصل ہو جائے مگر!

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

سرسید کا قول کس قدر صداقت پر مبنی ہے کہ ''...... کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کے طمع پر کیوں نہ رکھا ہو، مگر نبی وہی ہوا جس کو در حقیقت خدائے تعالیٰ کو نبی آخر الزماں کرنا منظور تھا'' (الخطبات الاحمدیہ، ص۴۴۰)۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ یہ سعادت عظمیٰ محمد بن عبداللہ ﷺ کے لئے مقدر تھی، جن کی بشارت عہد نامہ قدیم میں دی گئی تھی اس لیے وہی اس سے مشرف ہوئے اور والدین کا اپنے لڑکوں کا نام ''محمد'' رکھنا کچھ کام نہ آیا اور وہ سب کے سب ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' کا مصداق ثابت ہوئے۔ مزید یہ کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے متعدد لوگوں کے یسوع اور مسیح سے موسوم یا ملقب ہونے سے آں جنابؑ سے متعلق پیشین گوئیاں متاثر ہوئیں، اسی طرح خاتم الانبیا ﷺ سے قبل کچھ لوگوں کے نام ''محمد'' رکھے جانے سے آپ ﷺ سے مخصوص بشارتوں پر کوئی حرف نہیں آیا، اور اپنے وقت پر رب کریم کا ازلی منصوبہ عمل میں آ کے رہا۔

(۱۱) دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۹۷ تا ۷۹۹ اور ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۷ تا ۲۸۹، حاشیہ)۔

(۱۲) مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اظہار الحق میں مولانا کیرانویؒ نے جس عربی ترجمے سے یہ عبارت نقل کی ہے، اس میں سلع کی جگہ ''چٹان'' (یعنی اس کا ہم معنی عربی) لفظ ہے۔ موجودہ انگریزی ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے (یعنی ان میں بھی اس کا ہم معنی لفظ ''Rock'' ہے)۔ لیکن موجودہ اردو ترجمہ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہاں سلع کا لفظ ہے۔ مولانا عثمانی موصوف مزید فرماتے ہیں کہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل عبرانی (Hebrew) میں یہاں لفظ سلع ہی ہے، مگر چوں کہ سلع کے معنی چٹان (Rock) کے ہیں اور بائبل کے مترجمین اکثر مقامات کے ناموں کا بھی ترجمہ

Marfat.com

کر ڈالتے ہیں، اس لیے انہوں نے اس کی جگہ چٹان لکھ دیا۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۱، حاشیہ نمبر ۱)۔

سلع دراصل ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ میں واقع ہے۔ یہ قدیم اہل عرب میں بھی اسی نام سے مشہور تھا اور شعرا کے کلام میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر قیس بن ضریح کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

لعمرك اننی لاحب سلعاً

لرؤيته ومن اكناف سلع

یہ پہاڑ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، جیسا کہ حضرت کعبؓ سے مروی ایک طویل حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے (دیکھیے صحیح مسلم، غزوہ تبوک۔ محولہ حدیث مجھے صحیح مسلم میں نہیں مل سکی۔ راقم) اور آج بھی اسی نام سے مشہور و معروف ہے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۱، ۲۸۲ حاشیہ)۔ طبری کے بیان کے مطابق جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں نے جس جگہ خندق کھودی تھی وہاں ایک پہاڑ کا ٹیلہ ہے، جسے اہل مدینہ سلع کہتے ہیں۔ (بہ حوالہ رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۹۵، حاشیہ نمبر ۱۔ نیز دیکھیے النبی الخاتم، ص ۲۴)۔

معجم البلدان از یاقوت حموی ج ۳، ص ۲۳۷، اور القاموس المحیط، ج ۳، ص ۳۹ (بہ حوالہ ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۲، حاشیہ) میں سلع کے نام سے مشہور ایک قلعے کا ذکر ملتا ہے، جو وادی موسیٰ میں واقع تھا۔ لیکن زیر بحث پیشین گوئی میں وہ سلع مراد نہیں ہے، جس کے اسباب دو وجوہ، بہ قول مولانا تقی عثمانی، حسب ذیل ہیں۔

ایک تو یہ کہ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس کے مؤلفین اس لفظ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عرب کا قدیم مرکزی شہر جس کی بنیاد نبی عیسو نے رکھی تھی'' (ص ۲۶۵)۔ واضح رہے کہ حضرت عیسو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے داماد تھے۔ (دیکھیے پیدائش ۲۸: ۹ اور ۳۶: ۳) اور وادی موسیٰ کا قلعہ شام میں ہے۔ اسے عرب کا شہر نہیں کہا جا سکتا۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۲، حاشیہ)۔

دوسرے یہ کہ اس پیشین گوئی میں لفظ سلع سے پہلے یہ جملہ ہے کہ ''قیدار کے آباد گانو اپنی آواز بلند کریں''، جس سے معلوم ہوا کہ سلع سے مراد وہ سلع ہے جو قیدار کی بستیوں کے قریب ہو۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قیدار، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام تھا۔ اس سے یہ بات خود بہ خود ثابت ہو جاتی ہے کہ قیدار اور ان کی اولاد کا مسکن صحرائے عرب تھا اور کتاب یسعیاہ (۲۱: ۱۳ تا ۱۷) میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ اس صورت میں سلع سے شام کا کوئی علاقہ مراد نہیں ہو سکتا۔ (دیکھیے

Marfat.com

نفس مصدر، ص ۲۸۲، ۲۸۳، حاشیہ)۔

تیسرے یہ کہ زیر بحث بشارت کا کچھ حصہ پہلے باب ۴۱ آیت ۲ میں بھی مذکور ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہ نبی مشرق (East) سے مبعوث ہوگا اور مشرق کا لفظ تورات میں عام طور سے ملک عرب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (دیکھیے نفس مصدر، ص ۲۸۳، حاشیہ اور سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۹۹)۔ اس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔

چوتھے یہ کہ اگر سلع سے مراد شام والا سلع ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ حالانکہ اس بشارت میں یہ کہا گیا ہے کہ "خداوند بہادر کی مانند نکلے گا...... وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔" یہ جملہ اور اس کے بعد کے تمام جملے اس بات کی گواہی فراہم کرتے ہیں کہ جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے وہ جہاد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے، آپؑ نے نہ صرف یہ کہ جنگ نہیں کی، بلکہ عیسائیوں کے عقیدے اور نظریے کے مطابق، آپؑ کے دشمنوں نے آپ کو سولی دے دی تھی (عیاذاً باللہ)۔ دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۸۳)۔ اس کا ذکر بھی اوپر آ چکا ہے۔

پانچویں یہ کہ اس بشارت کا آخری جملہ پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے اس کا خصوصی مشن بت پرستی کا استحصال کرنا ہوگا اور اسے زیادہ تر بت پرستوں سے واسطہ پڑے گا۔ حضرت ابن مریم علیہما السلام کے حالات زندگی کے مطالعے سے یہ بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپؑ کی پوری زندگی یہودیوں کے مقابلے میں گزری ہے اور بت پرستوں سے آپؑ کا کوئی قابل ذکر واسطہ نہیں رہا۔ اس کے برعکس، حضور اکرم ﷺ (جو عرب میں مبعوث ہوئے تھے) کی مکی زندگی کے تیرہ سال بت پرستوں کے مقابلے میں صرف ہوئے اور آخر میں ان پر آپ ﷺ کو مکمل غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اس وجہ سے اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں، بلکہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ ہیں۔ (دیکھیے نفس صدر، ص ۲۸۳، ۲۸۴)۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہاں سلع سے وہ سلع مراد نہیں ہے جو ملک شام کی وادی موسیٰ میں واقع بتایا جاتا ہے، بلکہ حقیقتاً وہ سلع مراد ہے، جو مدینہ میں خندق کے پاس آج بھی موجود ہے اور جہاں انصار کی بچیوں نے آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے مبارک اور کیف زا موقعے پر ترانہ سنجی کی تھی۔ زیر بحث پیشین گوئی میں اسی والہانہ استقبال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۳) اس عبارت میں قدرے ابہام پیدا ہو گیا ہے، اس لیے کتاب پیدائش کی درج ذیل آیات

Marfat.com

کے حوالے سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے:

''اور ابراہام نے پھر ایک اور بیوی کی، جس کا نام قطورہ تھا۔ اور اس سے زمران اور یقسان اور مدان اور مدیان اور اسباق اور سوخ پیدا ہوئے۔ اور یقسان سے سبا اور دوان پیدا ہوئے......'' (۲۵: تا ۳)۔

اب یہ بات بہ خوبی واضح ہوگئی کہ دیدان، یقسان کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر، ان کا شجرہ نسب یوں تھا: دیدان بن یقسان بن ابراہیم علیہ السلام۔

(۱۴) موجودہ اردو ترجمے میں یہ عبارت (ممکن ہے......کریں گے) یوں ہی ہے۔ عربی ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۵۲ء) اور انگریزی ترجمہ (مطبوعہ ۱۹۷۹ء) کی عبارتیں بھی اسی کے مطابق ہیں۔ ذیل میں ان عبارتوں کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

(i) ھا انھم یجتمعون اجتماعاً لیس من عندی من اجتمع علیک فالیک یسقط. (۱۵:۵۴)

(ii) "Behold, they shall surely gather together, but not bay me: whosvever shall gather together against thee shall fall for thy sake." (54:15)

لیکن مولانا کیرانویؒ نے جو عبارت نقل کی ہے اس میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے ''یادرکھو وہ پڑوسی آئے گا جو میرے ساتھ نہیں تھا، اور جو قریب تھا وہ تجھ سے قریب ہو جائے گا۔'' بہ قول مولانا تقی عثمانی، کیتھولک بائبل کی عبارت بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۹۲ اور اسی صفحے کا حاشیہ نمبر ۱)۔

(۱۵) مولانا کیرانویؒ نے جو عبارت درج کی ہے، اس میں اس کے پہلے ''بت خانوں میں'' منقول ہے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۲۹۷)۔

(۱۶) کلدانی یعنی وہ قوم جسے بائبل میں کسدی کہا گیا ہے۔ بخت نصر انہی میں سے تھا۔ (دیکھیے مصدر سابق، ج ۳، حاشین نمبر ۱۲ از مولانا تقی عثمانی)۔

(۱۷) بائبل کے انگریزی، عربی اور اردو ترجموں (مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ۱۹۵۲ء، ۱۹۶۸ء) میں تیمان (Teman) ہی مذکور ہے۔ سیرت النبی (ج ۳، ص ۸۲۴) ہی مذکور ہے۔ سیرت النبی (ج ۳، ص ۸۲۴)۔ میں بھی تیمان ہی ہے۔ مگر رحمۃ للعالمین (ج ۳، ص ۹۳) اور النبی الخاتم (ص ۲۴) میں تیمان

Marfat.com

کی جگہ جنوب ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کے بہ قول، تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں۔ (دیکھیے س، ن، ج ۳، ص ۸۲۴) اس وجہ سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یعنی ملک عرب جو جنوب میں واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مترجمین نے حسب عادت اسم علم یعنی تیمان کا بھی ترجمہ کر دیا ہے۔

(۱۸) فاران سے مراد مکہ اور اس کی پہاڑیاں ہیں۔ پہلے بھی اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ چونکہ اس جگہ فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ کیا تھا، اس لیے یہ اس کے نام سے مشہور ہوگئی۔ (دیکھیے رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۹۳، حاشیہ ۲) کتاب پیدائش (۲۱:۲۱) میں ہے ''وہ (یعنی اسماعیلؑ) فاران کے بیابان میں رہتا تھا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی بیابان میں مسجد تعمیر کی جو اب کعبے کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح تورات اور قرآن ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ فاران دراصل مکے کا نام۔'' (ایضاً)

فاران کا ذکر کتاب اعداد (۱۶:۱۲) اور کتاب استثنا (۲:۳۳) میں بھی آیا ہے۔

(۱۹) النبی الخاتم از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ میں یہ عبارت دو جگہ نقل ہوئی ہے۔ اس کے الفاظ ایک جگہ تو بعینہ یہی ہیں، مگر دوسری جگہ ''اس کی حمد'' کے بجائے ''احمد کی حمد'' مسطور ہے (دیکھیے ص ۲۴، ۳۹)۔ بائبل کے جو ترجمے اس وقت پیش نظر ہیں، ان میں سے زیر بحث عبارت رحمۃ للعالمین (ج ۳، ص ۹۵) اور سیرت النبی ج ۳، ص ۸۲۴) میں بھی بہ طور اقتباس پیش کی گئی ہے، مگر ان میں بھی ''اس کی حمد'' ہی منقول ہے، چوں کہ مولانا گیلانیؒ نے اپنے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی ہے، اس سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ فقرہ ''احمد کی حمد'' بائبل کے کس ترجمے سے ماخوذ ہے۔

(۲۰) سیرت النبی (ج ۳، ص ۸۲۴)، رحمۃ للعالمین (ج ۳، ص ۹۴) اور النبی الخاتم (ص ۲۴، ۳۹) میں یہ فقرہ اسی طرح ہے۔

(۲۱) بائبل کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۷۱ء (آکسفورڈ) میں یہاں لفظ ''اسلام'' ہے۔ (بہ حوالہ رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۲۰۲، حاشیہ نمبر ۱)۔ لیکن عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں لفظ ''سلام'' ہے اور انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء میں لفظ ''Peace'' مذکور ہے جو ''سلام'' ہی کا ترجمہ ہے۔

یہاں ''سلام'' ہی انسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا صفتی نام ہے۔ یہ لفظ ہر نماز کے بعد پڑھی جانے والی اس دعا میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ''اللھم انت السلام ومنک السلام وارزقنا السلام تبارکت ربنا وتعالیت یا ذاالجلال والاکرام ''اس طرح ان دونوں عبارتوں میں

Marfat.com

یک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ پیشین گوئی میں رب الافواج کی طرف سے مکان یعنی خانہ کعبہ میں ''سلام بخشنے'' کی بات کہی گئی ہے اور دعا میں سراپا سلام اور مالک دو جہاں سے ''سلام'' کی بھیک مانگی گئی ہے۔ الغرض دونوں عبارتوں میں سلام کا منبع ذات الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔

ایک بات اور۔ اردو ترجمہ (۱۹۶۸ء)، عربی ترجمہ (۱۹۵۲ء) اور انگریزی ترجمہ (۱۹۷۹ء) میں ''اس مکان میں، فی هذا البيت اور In this palce'' ہے جبکہ رحمۃ للعالمین (ج ۳، ص ۲۰۲) میں درج شدہ عبارت میں ''اس مکان کو'' ہے۔ یہ عبارت غالباً اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۷۰ء (مرزاپور) سے ماخوذ ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۰۲، حاشیہ نمبر ۱)۔

(۲۲) حدیث شریف میں یہ لفظ یوں ہی ہے، مگر اس کے بارے میں سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ملک الختان کا تلفظ نہ ملک (بادشاہ) اور ملک (فرشتہ) بلکہ ''ملاک'' ہے، جس کے معنی فرستادہ اور پیغمبر کے ہیں (اور) جس کی اصل عربی میں ''ملوکہ'' بہ معنی پیغام ہے۔ عربی تلفظ میں ''ملک'' پڑھا جائے تو یہ اس موقع پر ''فرشتہ'' کے اصطلاحی معنی نہیں، بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ سید صاحبؒ مزید فرماتے ہیں کہ قیصر کا یہ لفظ ''ملک الختان'' (ختنے کا پیغمبر) استعمال کرنا درحقیقت کتاب ملاخیا (ملاکی) کی پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے، اور اس سے ان کی مراد کتاب مذکور کی زیر بحث بشارت ہے۔ (دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۸۲۲)۔

(۲۳) انجیل برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح اور معتبر حالات زندگی نیز ان کی اصل تعلیمات کو جاننے کا ایک قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ قابل اعتراض باتیں ہیں جو مترجمین کی فروگذاشتوں اور کارگزاریوں کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، تاہم اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کے مصنف جن کا اصل نام Joses اور لقب برناباس (Son of Consolation) تھا، حواریوں میں سے ایک تھے۔ موصوف شروع سے آخر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت مبارکہ میں رہے۔ لہٰذا انہوں نے اس انجیل میں جو کچھ درج کیا ہے اس کی حیثیت چشم دید واقعات اور کانوں سنے ارشادات کی ہے (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۴) اس کی تصنیف کا مقصد جو آغاز کتاب میں بیان کیا گیا ہے کچھ یوں ہے: ''ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح کی جائے، جو شیطان کے دھوکے میں آ کر حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ (Son of God) قرار دیتے ہیں، ختنہ کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور حرام کھانوں کو حلال کر دیتے ہیں، جن میں سے ایک دھوکا کھانے والا پولوس (Paul) بھی ہے'' (دیکھیے برناباس کی انجیل اردو ترجمہ از آسی ضیائی، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۷ اور سیرت

Marfat.com

سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۷)۔ آخر کتاب میں درج ایک عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برنا باس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آخری وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا اور گونا گوں دشواریوں کے باوجود اس کو پائے تکمیل تک پہنچا کے ہی دم لیا۔ اصل عبارت کچھ اس طرح ہے: ''دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیح علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کو صاف کرنا اور دنیا کے سامنے صحیح حالات لانا تیری ذمہ داری ہے۔'' (بحوالہ سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۴)۔ چوں کہ مولانا مودودی نے باب کا حوالہ نہیں دیا اس لیے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ عبارت کس باب سے ماخوذ ہے۔ انجیل برنا باس کے اردو ترجمے میں یہ مفہوم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ ''یسوع ...... بولا دیکھ، برنا باس، تو ضرور بالضرور میری انجیل لکھنا، اس سب کے متعلق جو میرے دنیا میں رہتے ہوئے پیش آیا ہے۔ اور اس طرح وہ بھی لکھنا جو یہوداہ پر افتاد پڑی تا کہ ایمان دار فریب سے نکل سکیں اور ہر ایک سچائی کا یقین کرے۔'' (باب ۲۲۱، ص ۲۸۴)۔

یہ انجیل پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں عام طور پر دستیاب تھی۔ جب Iranceeus (۱۳۰ء۔ ۲۲۰۰ء) نے خالص توحید کی تائید اور سینٹ پال کی مخالفت میں ایک رسالہ لکھا، تو اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا اور جگہ بہ جگہ اس کا حوالہ بھی دیا۔ اسکندریہ کے چرچوں میں ۳۲۵ء تک اس کو معتبر و مسلم انجیل (Canonical Gospel) تصور کیا جاتا رہا۔ لیکن اسی سال نیقیہ (Nicaea) کی کونسل میں اسے غیر قانونی اور مشکوک الصحت (Apoceryphal) قرار دے دیا گیا۔ ۳۸۲ء میں اس کے پڑھنے پر دوبارہ پابندی عائد کی گئی۔ آگے چل کر پوپ Innocent نے ۴۶۵ء میں پھر اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ آخر میں ۴۹۶ء میں پوپ گلاسیس اول (gehasius) کے زمانے میں پاپائی فتوے کے ذریعے اس کو بدعقیدہ اور گمراہ کن (Heretical) کتابوں کی فہرست میں شامل کر کے اس کے پڑھنے پر قدغن لگا دی گئی۔ مگر یہ بڑی سخت جان نکلی اور زمانے کے دست برد سے آخر کار محفوظ رہ ہی گئی۔ (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۳، ۱۴۴ اور The Gospel of Barnabas ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی، ص ۲۷۴)۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۸۳ء میں اس کی ایک کاپی کسی طرح پوپ کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے اس کو اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ کر دیا۔ قبرص میں Emperor Zone کے زمانے میں غالباً ۴۷۸ء میں بھی اس کا ایک نسخہ دستیاب ہوا، جو برنا باس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ صدیوں لاپتا رہی۔ سولہویں صدی میں اس کا صرف ایک نسخہ پوپ سکسٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں

Marfat.com

موجود تھا، مگر کسی کو اس کو پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

سولہویں صدی ہی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب Fra Marino کو Iranaeus کے چند خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے ایک خط میں موصوف نے پولوس کی مفسدہ پردازیوں کا پردہ فاش کیا تھا اور یہ بھی مرقوم فرمایا تھا کہ انجیل برناباس میں ''جناب والا'' کی حقیقت واشگاف انداز میں بیان کی گئی ہے۔ Fra Marino کو یہ بات معلوم ہوئی، تو وہ انجیل برناباس کی تلاش وجستجو میں لگ گیا۔ حسن اتفاق کہ کسی طرح اسے پوپ سکسٹس پنجم کا تقرب اور اعتماد حاصل ہو گیا اور اس نے اسکی صحبت اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں ایک دن اسے پوپ موصوف کے ہمراہ اس کے کتب خانے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ خدائی انتظام کے تحت حضرت پوپ محو خواب ہو گئے اور Fra Marino نے محض وقت گزاری کی غرض سے لائبریری میں موجود کتابوں کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ اس نے پہلی بار جس کتاب پر ہاتھ ڈالا اتفاق سے وہ انجیل برناباس کا نسخہ تھا۔ مگر یہ قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ نسخہ مذکور کس زبان میں تھا (دیکھیے برناباس کی انجیل ص ۵) بہ ہر کیف Fra Marino اس کو حاصل کر کے خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اسے اپنی آستین میں چھپا کر اپنے گھر لے آیا۔ پوپ سکسٹس پنجم کو اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ اس کے مطالعے کے بعد Fra Marino مسلمان ہو گیا اور افادہ عام کی غرض سے اس نے حاصل شدہ نسخے کا ترجمہ اپنی مادری زبان، اطالوی میں کیا (دیکھیے The forgotten Gospel of St. Barnabas از ڈاکٹر درانی، دہلی ۲۰۰۳ء، ص ۲۰، ۳۳، ۷۶ اور برناباس کی انجیل، ص ۵)۔ جو متعدد ہاتھوں سے گزرتا ہوا Amsterdam (Holland) کے ایک مقتدر شخص کے ہاتھ پہنچا، جس نے تاحیات اس کی بڑی قدر کی۔ اس کے انتقال کے بعد ۱۷۰۹ء میں یہ نسخہ Prussia کے بادشاہ کے ایک مشیر، J.E. Cramer کے ہاتھ لگا جبکہ وہ Amsterdam میں تھا۔ ۱۷۱۳ء میں کریمر نے اسے Savoy کے شہزادہ Eugene کو تحفے کے طور پر دے دیا۔ بالآخر ۱۷۳۸ء میں یہ آسٹریا کے پائے تخت، ویانا (Vienna) کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہو گیا، جہاں یہ تاحال موجود ہے۔ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۵۴، ۳۵۵، حاشیہ، GOB، ص ۲۷۴ اور The Forgotten Gospel of St. Barnabas ص ۱۵، ۱۶)۔

اس کے علاوہ، اٹھارویں صدی کے اوائل ہی میں اس کا ایک نسخہ میڈرڈ گیا، جہاں Mustafa de Aranda نے اس کا اطالوی سے ہسپانوی (Spanish) زبان میں ترجمہ کیا (دیکھیے بائبل سے قرآن تک ج ۳، ص ۳۵۵ حاشیہ، برناباس کی انجیل، ص ۵ اور The Forgotten

Marfat.com

Gospel of St. Barnabas ص۲۶،۳۳،۷۶)۔

مذکورہ ہسپانوی ترجمہ جلد ہی غائب ہو گیا۔ مگر کسی طرح اس کا ایک نسخہ Dr. Hemeett کے ہاتھ لگا، جو ۲۲۱ ابواب، ۲۲۳ فصلوں اور ۴۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ نسخہ بعد کو George Sale کی تحویل میں آیا۔ پھر یہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے Queen`s College کے ممبر Dr. Monk House کے پاس پہنچا، جس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ بعدازاں، موصوف نے دونوں ترجموں کو Dr. White کے حوالے کر دیا۔ پھر یہ دونوں ترجمے ہمیشہ کے لئے گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔(The Forgotten Gospel of St. Barnabas ص۱۹،۳۳)

Mustafa de Aranda نے ہسپانوی ترجمے کے شروع میں ایک دیباچہ بھی سپرد قلم کیا تھا، جس میں اس نے انجیل مذکور کی دریافت کی پوری روداد بیان کی تھی۔ اس کا انکشاف George Sale نے اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں کیا تھا (ایضاً ص۲۰)۔ لیکن افسوس کہ بعد میں اس قیمتی مقدمے کو اصل ترجمے سے خارج کر دیا گیا۔ چنانچہ راقم کے پاس سیل کا جو انگریزی ترجمہ قرآن ہے اس میں Ross کا تحریر کردہ تعارف نامہ (Introduction) تو ہے، لیکن خود سیل کا ارقام فرمودہ مقدمہ ندارد ہے۔ مذکورہ ترجمہ قرآن لندن کا چھپا ہوا ہے اور اس میں تاریخ اشاعت وطباعت تحریر نہیں ہے۔ ترجمہ ہذا کوئی ۲۵ سال قبل حاصل کیا گیا تھا۔

ہسپانوی اور انگریزی ترجمے تو غائب ہو گئے مگر اطالوی ترجمہ ویانا (Vienna) کے شاہی کتب خانے میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گیا۔ اسی نسخے کو Laura Ragge & Lonsdale نے ۱۹۰۷ء میں ایڈٹ کیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا، جو آکسفورڈ کے Clarendon Press میں چھپا۔ لیکن ڈاکٹر منک ہاؤس کے انگریزی ترجمے کی طرح، یہ انگریزی ترجمہ بھی بازار سے پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ اس وقت اس کی صرف دو کاپیاں موجود ہیں۔ ایک تو British Museum کی زینت ہے اور دوسری واشنگٹن کی لائبریری آف کانگریس میں محفوظ ہے۔ اول الذکر ثانی الذکر کی مائیکروفلم کاپی سے تیار کیا گیا ہے۔ (دیکھیے GOB، صفحہ عنوان نیز ص ۶۷۵، بائبل سے قرآن تک، ج۳، حاشیہ اور سیرت سرور عالم، ج۱، ص۱۴۳)۔

Laura Eagg & Lonsdale کا انگریزی ترجمہ کافی عرصے کے بعد ۱۹۷۳ء میں دوبارہ چھپ کر منظر عام پر آیا اور اس بار اس کی طباعت کی سعادت ایجوکیشنل پریس، کراچی، پاکستان، کو نصیب ہوئی۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ ہندوستان میں بھی اشاعت پذیر

Marfat.com

ہو چکا ہے۔ اور یہاں عام طور پر دستیاب ہے۔ اسے ادارہ اشاعت دینیات (واقع حضرت نظام الدین، نئی دہلی) نے شائع کیا ہے اس کی ایک کاپی راقم کے پاس بھی موجود ہے۔ گو اس پر تاریخ طباعت درج نہیں ہے، تاہم گمان غالب ہے کہ اس کی اشاعت ۱۹۹۷ء۔ ۱۹۹۸ء میں عمل میں آئی ہے۔ ادارہ اشاعت دینیات کے علاوہ، یہ انگریزی ترجمہ ۱۹۹۷ء میں کتاب بھون (نئی دہلی) سے بھی شائع ہوا ہے۔

۱۹۰۸ء میں مصر کے ایک عرب عیسائی عالم، ڈاکٹر خلیل بک سعادت، نے مذکورہ بالا انگریزی ترجمے کو عربی جامہ پہنایا، جسے علامہ رشید رضا مصری نے اپنے ایک مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا۔ یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا، تو محمد انشا مالک و مدیر ''اخبار وطن'' کی فرمائش پر مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی نے ۱۹۱۰ء میں اسے اردو میں منتقل کر دیا۔ یہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ ترجمہ ہذا پہلی بار کب چھپا؟ مگر اس سلسلے میں محمد انشا صاحب کی دلچسپی اور اہتمام خاص کو دیکھتے ہوئے قیاس ہوتا ہے کہ اس کی اولین اشاعت ۱۹۱۰ء میں عمل میں آئی ہوگی۔ یہی ترجمہ غالباً دوسری بار ۱۹۱۶ء میں اور پھر تیسری بار ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ لیکن شاید اردو داں طبقے نے اس کی پذیرائی نہیں کی، کیونکہ ہمارے برصغیر میں عام طور پر اس کا کوئی چرچا نہیں ہے۔ (برناباس کی انجیل، ص ۵)

۱۹۷۳ء میں Ragg & Lonsdale کا انگریزی ترجمہ دوبارہ چھپ کر منظر عام پر آیا، تو اس کی کافی پذیرائی ہوئی اور آسی ضیائی صاحب نے اس کا از سر نو اردو میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا، جس میں وہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ انجیل برناباس کا اردو میں ترجمہ کرتے وقت موصوف نے انگریزی کے ساتھ ساتھ مولوی محمد حلیم انصاری صاحب کے اردو ترجمے کو بھی سامنے رکھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے انگریزی اور اردو بائبل کو بھی پیش نظر رکھا تا کہ ان کا اردو ترجمہ ہر اعتبار سے سادہ، رواں، موثر، دلکش اور واضح ہو نیز بائبل کی زبان اور طرز ادا کا حامل بھی ہو۔

یہ اردو ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی (دہلی) کے طفیل، ہندوستان سے پہلی بار اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ یہی اشاعت راقم کے پیش نظر ہے۔

مختصر یہ کہ اس وقت انجیل برناباس کے ترجمے چار مختلف زبانوں (اطالوی، انگریزی، عربی اور اردو) میں موجود ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ مستقبل میں دنیا کی دیگر اہم زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوگا۔ برناباس اور انجیل برناباس سے متعلق مزید معلومات بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۵۷ تا ۳۸۴، حواشی، سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۴۳، ۶۶۱ اور راقم کا مضمون ''انجیل برناباس کا تحقیقی جائزہ''

Marfat.com

مشمولہ خدا بخش لائبریری جرنل نمبر ۱۳۱ بابت جنوری۔ مارچ ۲۰۰۳ء، پٹنہ ص ۱۷ تا ۹۱)۔

(۲۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (متوفی ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء) اور ڈاکٹر درانی کی تحقیق کی رو سے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور برناباس کی زبان آرامی (Aramaic) تھی (دیکھیے خطبات بہاولپور، ص ۳۴، ۴۷، The Forgotten Gospel of St. Barnabas ص ۲۸، ۳۴، ۹۳)۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا عبدالحق حقانیؒ، علامہ حمید الدین فراہیؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے بہ قول، آپ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی (دیکھیے بالترتیب بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۱۶، ۳۲۳، تفسیرِ حقانی، ج ۴، دہلی، ص ۵۳۴، تفسیرِ نظام القرآن (اردو) اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء ص ۴۴، مکمل بیان القرآن، ج ۱۲، دہلی، ص ۳ اور قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۴۳)۔ حضرت سرسیدؒ کی رائے کے بہ موجب، آپ علیہ السلام کی زبان وہ عبرانی تھی، جس میں کالڈی یا خالدی کے الفاظ بھی ملے ہوئے تھے۔ موصوف محترم نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ عبرانی اور خالدی دونوں زبان ایک ہیں (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۸۷، ۳۹۴)۔

سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی (دیکھیے سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۸۶)۔ مولانا مودودیؒ کے خیال میں آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ہم عصر اہلِ فلسطین کی عام زبان آرامی (Aramaic) کی وہ بولی تھی جسے سریانی (Syriac) کہا جاتا ہے۔ اسے فلسطین کی سریانی کہا جاسکتا ہے۔ یہ مخصوص بولی (Eialect) دمشق (Damascus) میں بولی جانے والی سریانی سے مختلف تھی۔ مولانائے موصوف کے بیان کے مطابق، آپ علیہ السلام کی زبان عبرانی نہیں ہوسکتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ آپؑ کی پیدائش سے دو ڈھائی سو برس پہلے سلوتی (Seleucide) اقتدار کے زمانے میں اس علاقے سے عبرانی رخصت ہوچکی تھی اور اس کی جگہ سریانی نے لے لی تھی (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۳۹، ۱۴۱)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی سریانی ہی کو آپ علیہ السلام کی زبان تسلیم کیا ہے۔ (دیکھیے تدبر قرآن، ج ۸، ص ۳۶۲)۔ ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ کی ایک عبارت سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی زبان سریانی ہی تھی (دیکھیے ج ۱، ص ۲۱۵)۔ آپ علیہ السلام کی زبان کے سلسلے میں یہی آخری قول مرجح معلوم ہوتا ہے۔ سریانی کو آپ علیہ السلام کی زبان تسلیم کرلینے کے بعد، یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اصل انجیل برناباس بھی سریانی ہی میں ہوگی۔

Marfat.com

(۲۵) ذیل میں ان چاروں انجیلوں کے متعلق چند سطریں سپرد قلم کی جاتی ہیں:

(الف) انجیل متی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری متی (Mathew) کی طرف منسوب ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔ متی کی اصل کتاب کا نام لوجیا (Logia) تھا، جو ناپید ہے۔ انجیل مذکورہ کا مصنف دراصل کوئی نامعلوم شخص ہے۔ البتہ اس نے اس کی تیاری میں دیگر کتابوں کے ساتھ لوجیا سے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ خود متی کا ذکر اس میں اس طرح کیا گیا ہے جیسے کسی غیر آدمی کا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متی باب ۹ آیت ۹، میں یوں تحریر ہے: ''یسوع علیہ السلام نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا۔'' بہ قول مولانا مودودیؒ، ظاہر ہے کہ مصنف خود اپنا تذکرہ اس طرح نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی اس میں ایسی داخلی شہادتیں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متی کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے۔ مثلاً اس کی ۱۰۶۸ آیات میں سے ۴۷۰ مرقس (Mark) کی انجیل سے ماخوذ ہیں۔ اگر اس کا مصنف متی حواری ہوتا، تو اس کو ایک غیر حواری شخص کی کتاب سے استفادہ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس کی تاریخ تصنیف کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض مسیحی علما کے مطابق یہ ۷۰ء میں ضبط تحریر میں لائی گئی اور بعض کا خیال ہے کہ یہ ۹۰ء میں تصنیف کی گئی (یہ تفصیل سیرت سرور عالم، جلد اول، ص ۶۵۵، ۶۵۶ سے ماخوذ ہے)۔ اس انجیل کے بارے میں مزید عرض یہ ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو خود عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ولیمز وغیرہ نیز عیسائیوں کے ایک فریق جس کو یونی تیرین کہتے ہیں، الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ باب اول میں مسیح علیہ السلام کا جو نسب نامہ ہے، اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو کوئی جواب بھی نہیں بن پڑتا۔ (دیکھیے تفسیر حقانی، ج ۴، ص ۵۳۵)۔

(ب) انجیلِ مرقس (Mark) مرقس کی طرف منسوب ہے۔ اور عام طور پر اسی کو اس کا مصنف تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ابن مریم علیہما السلام کو صلیب دیئے جانے کے وقت وہ تماشائی کی حیثیت سے موجود تھا، مگر اس کا بھی کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ حقیقت میں وہ پطرس حواری (St. Peters) کا مرید یا شاگرد تھا۔ وہ اپنے پیر یا استاد سے جو کچھ سنتا تھا اسے، بہ تحقیق مولانا حقانی، لاطینی زبان میں لکھ لیا کرتا تھا، بعد میں اس کا یونانی میں ترجمہ کیا۔ اسی سبب سے اسے عام طور پر ''پطرس کا ترجمان'' کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۵۶ء اور ۶۳ء یا ۶۳ء اور ۷۰ء کے درمیان کسی زمانے میں لکھی گئی ہے۔ (یہ معلومات سیرت سرور عالم، جلد اول، ص

Marfat.com

۶۵۶ اور تفسیرِ حقانی، ج ۴، ۵۳۶، سے ماخوذ ہیں)۔

(ج) تیسری انجیل لوقا (Luke) کی طرف منسوب ہے۔ لیکن یہ امر طے شدہ ہے کہ لوقا نے نہ تو کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور نہ ان سے استفادہ کیا۔ لوقا اصل میں پولوس (St. Paul) کا مرید اور اسی کا صحبت یافتہ تھا۔ اس نے اپنی انجیل میں اسی کے خیالات ونظریات کی ترجمانی اور عکاسی کی ہے۔ دوسروں کا ذکر کیا، خود پولوس لوقا کی انجیل کو اپنی انجیل قرار دیتا ہے جہاں تک سینٹ پال کا تعلق ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت پاک سے محروم تھا۔ مسیحی روایات کے بہ موجب، واقعہ صلیب کے کوئی ۶ برس بعد وہ اس مذہب میں داخل ہوا۔ لہٰذا لوقا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان ایک کڑی بالکل غائب ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کی تاریخ کتابت بھی غیر متعین ہے۔ بعض کے نزدیک ۵۷ء میں اور بعض کے مطابق ۶۴ء میں اس کی کتابت عمل میں آئی نیز بعض اس کو ۷۴ء کی تصنیف مانتے ہیں۔ اس کے برعکس، ہارنک میکسگفرٹ اور پلومر جیسے بلند پایہ محققین کا خیال ہے کہ مذکورہ انجیل ۸۰ء کے آس پاس تحریر کی گئی۔ (ان معلومات کے مآخذ کتب مذکورہ بالا ہیں)۔

(د) انجیل یوحنا (John) یوحنا حواری کی تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ مگر جدید تحقیقات کی رو سے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس کا مصنف یوحنا حواری نہیں بلکہ اس کا ہم نام ایک مجہول الاحوال شخص ہے۔ بعض محققین تو اس کو مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف تصور کرتے ہیں۔ اوروں کا ذکر کیا، خود آرینوس کو جو یوحنا کے شاگرد پولی کارب، کا شاگرد تھا، اس سلسلے میں شک تھا۔ یہ انجیل ۹۰ء یا ۱۰۰ء میں یا اس کے بھی بعد ضبط تحریر میں لائی گئی۔ ہارنک اس کو ۱۱۰ء کی تصنیف بتاتا ہے (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۶۵۷، اور تفسیرِ حقانی، ج ۴، ص ۵۳۶)۔ اس میں بعض جگہ مبالغہ بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ، اس کے باب ۲۱: ۲۵ میں کچھ یوں ہے کہ مسیح کے حالات میں کتابیں جو لکھی جاتیں، تو دنیا میں نہ سماتیں مگر جیسا کہ مولانا حقانیؒ فرماتے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا روز تولد سے آخر تک روزنامچہ بھی لکھتا اور فرض کیجیے کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے، تو وہ سب کتابیں یروشلم میں سما سکتی تھیں، دنیا تو بڑی وسیع ہے۔ (دیکھیے تفسیرِ حقانی، ج ۴، ص ۵۳۶ اور کتاب مقدس، بنگلور، ۱۹۶۸ء)۔

تفصیلات بالا سے یہ بالکل عیاں ہے کہ ان انجیلوں میں سے کسی ایک کا بھی سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نہیں پہنچتا۔ اس وجہ سے ان کی سند کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا اور نہ وثوق کے ساتھ یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔

Marfat.com

(دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ا، ص ۶۵۷)۔

یہ انجیلیں یوں بھی غیر مستند تھیں، مگر جدید تحقیقات نے ان کی دستاویزی حیثیت کو اور بھی مشکوک بنا دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ان کے غیر مستند اور مشکوک ہونے کے چھ وجوہ بیان فرمائے ہیں، جن کی تفصیل انہی کے الفاظ میں کچھ یوں ہے:

اولاً چاروں انجیلوں کے بیانات میں اختلاف ہے، حتیٰ کہ پہاڑی کے وعظ کو بھی، جو مسیحی تعلیم کا اصل الاصول ہے، متی، مرقس اور لوقا تینوں نے مختلف اور متضاد طریقوں سے بیان کیا ہے۔

ثانیاً چاروں انجیلوں میں ان کے مصنفین کے خیالات و تاثرات صاف طور پر نمایاں ہیں۔ متی کے مخاطب یہودی معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان پر اتمام حجت کرتا نظر آتا ہے۔ مرقس کے مخاطب رومی ہیں اور وہ ان کو اسرائیلیات سے روشناس کرانا چاہتا ہے۔ لوقا سینٹ پال کا وکیل ہے اور دوسرے حواریوں کے خلاف اس کے دعاوی کی تائید کرنا چاہتا ہے۔ یوحنا ان فلسفیانہ خیالات سے متاثر نظر آتا ہے، جو پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مسیحیوں کے درمیان پھیل گئے تھے۔ اس طرح ان چاروں انجیلوں کے درمیان معنوی اختلاف، لفظی اختلاف سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔

ثالثاً اناجیل سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے تمام حواریوں کی زبان سریانی (Syriac) تھی۔ زبان کے اختلاف سے خیالات کی تعبیر میں اختلاف ہو جانا قدرتی بات ہے۔

رابعاً، اناجیل کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش دوسری صدی عیسوی سے پہلے نہیں کی گئی ۱۵۰ء تک عام خیال یہ تھا کہ زبانی روایت تحریر سے زیادہ مفید ہے۔ دوسری صدی کے آخر میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا، لیکن اس زمانے کی تحریروں کو مستند نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عہد نامہ جدید (New Testament) کا پہلا مستند متن قرطاجنہ کی کونسل میں منظور کیا گیا جو ۳۹۷ء میں منعقد ہوئی تھی۔

خامساً، اناجیل کا قدیم ترین نسخہ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے، چوتھی صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔ دوسرا نسخہ پانچویں صدی کا اور تیسرا ناقص نسخہ بھی جو پاپائے روم کے کتب خانے میں ہے، چوتھی صدی سے قدیم نہیں ہے۔ پس یہ کہنا مشکل ہے کہ پہلی تین صدیوں میں جو انجیلیں رائج تھیں، ان سے موجودہ انجیل کس حد تک مطابقت رکھتی ہے۔

سادساً، اناجیل کو قرآن کی طرح حفظ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کی اشاعت کا انحصار ابتداً روایت بالمعنی پر رہا، جس میں حافظے کے اختلال اور راویوں کے ذاتی خیالات کا اثر آنا قدرتی امر

Marfat.com

ہے۔ بعد میں جب کتابت کا سلسلہ شروع ہوا، تو وہ نقل نویسوں کے رحم پر تھیں۔ نقل کرتے وقت ہر شخص کے لئے آسان تھا کہ جس چیز کو اپنے عقائد کے خلاف دیکھے، حذف کردے اور جس کی کمی پائے بڑھادے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۶۵۷، ۶۸۸، مولانا مودودیؒ کے بہ قول، یہ تفصیلات ان کتابوں سے ماخوذ ہیں:

(1) Commentary on the Holy Bible: Dumellow

(2) Encyclopaedia Biblica: Y.K Cheyne

(3) History of Christianity: Mullman

ان وجوہات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انجیلیں نہ تو خدا کا کلام ہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا، یہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں بلکہ حواریوں کے بھی شاگردوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن میں ان لوگوں نے اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور ان کی تعلیمات کو جمع کیا ہے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۶۵۵)۔ بہ قول مولانا مودودیؒ، انجیلوں کی تعداد صرف چار تک محدود نہیں تھی، بلکہ ہزاروں میں تھی۔ انہی میں سے چار کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان کا انتخاب کس طرح ہوا؟ اس بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بڑی دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ ان کے بہ قول:

"......نیقیہ (Nicaea) کی کونسل والوں نے گرجا کے صدر مقام پر انجیلوں کے اس انبار کو تہہ بر تہہ کر کے رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے جبوں والے پادری سجدے میں گر کر آنکھیں بند کر کے یہ دعا کرتے رہے، دل ہی دل میں یہ منتر پڑھتے جاتے تھے: "جو جھوٹی ہے سو گر جائے، جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔" کہتے ہیں کہ سب گر گئیں۔ صرف چار اور ان کے ساتھ پولوس کے کچھ خطوط بھی گرنے سے رہ گئے۔ سجدے سے سر اٹھا کر وہی سر پر رکھی گئیں۔ اس کے بعد "مسیح علیہ السلام کی سچی انجیل یہی ہے" اس آواز سے آسمان کو سر پر اٹھالیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کونسل کے ان پادریوں میں سے دو کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ ان کی قبروں پر اس رپورٹ کی مسل رات کو رکھ دی گئی۔ صبح کو توثیقی دستخط اس پر ثبت شدہ تھیں......" (النبی الخاتم، دیوبند، ص ۱۹)۔

اوپر جس کونسل کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ نیقیہ (مشرقی روم کا ایک شہر) میں ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم کے ایما پر علمائے نصاریٰ کی ایک کونسل منعقد ہوئی، جس میں تین سو سے زیادہ بشپ شریک تھے۔ دو ماہ تک اس کے اجلاس بادشاہ مذکور کی صدارت میں ہوتے رہے اور اسی کونسل نے

Marfat.com

"تین ایک ہے، ایک تین ہے، کے معمے کو مسیحی مذہب کا جزو اعظم، بلکہ بنیاد قرار دیا۔ (دیکھیے نفس صدر، ص ۱۹، حاشیہ ۱)۔

پولوس (St. Paul) کا تذکرہ بھی اوپر کئی جگہ آیا ہے۔ یہاں اس کے عقائد اور کارگزاریوں پر روشنی ڈالنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔ مولانا مودودیؒ نے اس کے متعلق جو تفصیلات فراہم کی ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرو آپؑ کو صرف نبی مانتے تھے، موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملے میں آپ اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے، اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لاتے تھے اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ واشاعت شروع کردی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا، جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی، بلکہ ان کے زمانے میں وہ ان کا سخت مخالف تھا اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیرووں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اس نے نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند نہیں پیش کی، بلکہ اپنے کشف والہام کو بنیاد بنایا اور اس نے نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی (Gentile) دنیا قبول کرلے۔ اس نے اعلان کردیا کہ ایک عیسائی شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس نے کھانے پینے میں حرام وحلال کی ساری قیود ختم کر دیں۔ اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کردیا، جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مسیح کی الوہیت اور ان کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولاد آدم علیہ السلام کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا۔ کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا۔ مسیح علیہ السلام کے ابتدائی پیرووں نے ان بدعات کی مزاحمت کی، مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہوگیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے۔ تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بہ کثرت لوگ ایسے موجود تھے، جو مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز (۳۲۵ء) میں نیقیہ (جس کا ذکر اوپر آچکا

Marfat.com

ہے) کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہوگئی اور قیصر تھیوڈوسیس (Theodisius) کے زمانے میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں، مردود قرار دے دی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں۔ ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (Athanasius) کے ایک خط کے ذریعے معتبر و مسلم کتابوں کے ایک مجموعے کا اعلان کیا گیا پھر اس کی توثیق ۳۸۲ء میں پوپ ڈیمیسیس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی، اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Gelasius) نے اس مجموعے کو مسلم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو غیر مسلم تھی۔ حالانکہ جن پولوسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا، ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا ہے کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعے میں جو انجیلیں شامل ہیں، خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔'' (سیرت سرور عالم، جلد اول، ص ۱۴۶، ۱۴۷)۔

اقتباس خاصا طویل ہوگیا ہے، لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ پولوسی عقائد و بدعات کی ایک واضح تصویر ابھر کر سامنے آگئی۔

(۲۶) یہاں کتاب استثنا کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے: ''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا'' (۱۸:۱۵) اس آیت کا حوالہ استثنا کی پیشین گوئیوں کی بحث کے ضمن میں بھی گزر چکا ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ''عیسائی علما تسلیم کرتے ہیں کہ یوحنا (۱:۲۱) میں جو لفظ ''وہ نبی'' استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہی نبی ہیں جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ چنانچہ آر، اے ناکس اپنی تفسیر میں کہتا ہے: ''آیت ۲۱ میں استثنا ۱۸:۱۵ کا حولہ ہے'' (جلد اول، ص ۱۹۹)۔ نیز تمام حوالے والی بائبلوں میں اس لفظ پر استثنا ۱۸:۱۵ کا حوالہ دیا گیا ہے۔'' (ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۹۱، ۱۹۲، حاشیہ ۲)۔

(۲۷) تفصیل کے لئے دیکھیں سیرتِ ابنِ اسحاق (اردو)، ص ۱۰۲ تا ۱۰۵۔

(۲۸) دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، حاشیہ از محمد تقی عثمانی اور قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۴۳۔

(۲۹) دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۴۴، نیز دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۲۲، ۳۲۳: مکمل

Marfat.com

بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانویؒ، ج ۱۲، دہلی، ص ۳، حاشیہ اور سیرت النبی، ج ۳، ص ۴۸۷۔

(۳۰) دیکھیے مکمل بیان القرآن، ج ۱۲، ص ۳، حاشیہ اور قصص القرآن، ج ۴، ص ۲۴۳۔

(۳۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے متعلق بحث حاشیہ نمبر ۲۴ کے تحت گزر چکی ہے۔

(۳۲) غالباً اسی وجہ سے مونٹینس (Montanus) نامی ایک عیسائی نے ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء کے قریب یہ دعویٰ کیا تھا کہ فارقلیط جس کے آنے کا حضرتِ مسیح علیہ السلام وعدہ کر گئے ہیں، میں ہی ہوں۔ اس کے بعد اور حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے بہت پہلے ایک اور شخص نے بھی فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کا نام مینس تھا۔ (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۲۵ اور الخطبات الاحمدیہ، ص ۳۱۰)۔

(۳۳) حضور اکرم ﷺ کے ان دونوں ذاتی ناموں (Proper names) کا مادہ (root) ''حمد'' ہے۔ لفظ ''محمد ﷺ'' کے اشتقاق اور لغوی معنی سے متعلق بحث حاشیہ نمبر ۱۰ کے تحت گزر چکی ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کے اسم گرمی ''احمد ﷺ'' کا تعلق ہے، اسے بشارت رویا کے مطابق، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے خود ہی رکھا تھا (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۱ اور رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۳۹، حاشیہ ۳)۔ اس کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں: ایک احمد الحامدین لربہ یعنی وہ شخص جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو (دیکھیے صحیح البخاری، ج ۲، ص ۵۰۱، حاشیہ، مکمل بیان القرآن، ج ۱۲، ص ۳، سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۳۷: رحمتہ للعالمین، ج ۳، ص ۱۷۹ اور قرآن کریم (اردو ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)، مدینہ ۱۴۱۸ھ، ص ۱۵۷۳، حاشیہ نمبر ۱ از مولانا صلاح الدین یوسف)۔ اس صورت میں یہ لفظ ''حامد'' (اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والا) کا اسم تفضل کل (Superlative degree) قرار پائے گا۔ دوسرے، وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو انگریزی میں اس کا ترجمہ Most Praiseworthy, renowned کیا جاسکتا ہے (دیکھیے مفردات القرآن، ص ۲۴۵، مکمل بیان القرآن، ج ۱۲، ص ۳، سیرت سرور عالم، ج ۱، ص ۱۳۷، قرآن کریم (محولہ بالا)، ص ۱۵۷۳، حاشیہ نمبر ۱ اور A Dictionay and Glossary of the Koran، ص ۳۸)۔ اس صورت میں یہ لفظ ''محمود'' کا اسمِ تفصیل تصور کیا جائے گا۔ اسی دوسرے معنی کے پیش نظر، علمائے لغت نے اسے لفظ ''محمد ﷺ'' کا ہم معنی قرار دیا ہے۔ سریانی لفظ ''منحمنا'' کے بھی قریب قریب یہی معنی بتائے جاتے ہیں، اور شاید اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ''محمد ﷺ'' اور احمد ﷺ دونوں سے کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اس ضمن میں یہ عرض کرنا کچھ نامناسب نہ ہوگا کہ آپ ﷺ کو "حمد" سے خاص منسبت ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے حضور پرنور ﷺ کا اسمِ مبارک "محمد" اور "احمد" ہے۔ آپ ﷺ کے مقامِ شفاعت کا نام "مقام محمود" ہے۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں میدان محشر میں جو رایت اور علم ہوگا، اس کا نام "لواء الحمد" ہے۔ آپ ﷺ کی امت کا لقب "حمادون" ہے اور آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب کا آغاز "الحمد للہ" سے ہوتا ہے (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۳۹، حاشیہ ۱، ج ۲، ص ۲۹۹، حاشیہ ۱ اور ج ۳، ص ۱۷۹)۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اسم "احمد" کے بارے میں دو قسم کے بیانات پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ اس نام کو اہل عرب بہت کم یا شاذ و نادر رکھتے تھے (دیکھیے الخطبات الاحمدیہ، ص ۴۳۸، ۴۳۹)۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی شخص کا نام "احمد" نہیں رکھا گیا (دیکھیے سیرت سرور عالم، ج ۲، ص ۴۹، حاشیہ نمبر ۱۱ اور رحمتہ للعالمین، ج ۲، ص ۲۹۸، ۳۰۳) اور اس طرح خداوند قدوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی بشارت کو جو بہ حق نبی آخر الزماں ﷺ تھی، تقریباً پونے چھ سو سال تک محفوظ رکھا (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۲، ص ۳۰۳)۔ اس سلسلے میں دوسرا بیان ہی مرجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور احمد مرسل ﷺ کے درمیان "احمد" نام کا کوئی تیسرا شخص حائل ہوتا، تو اس سے التباس کی صورت پیدا ہو سکتی تھی اور ابلیس لعین کو گمراہی کی تخم ریزی کا ایک سنہرا موقع مل سکتا تھا۔ یہ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت نہیں تو اور کیا ہے کہ لفظ "احمد" سے آگاہ و آشنا ہونے کے باوجود، آرزو اور تمنا کے تحت بھی اہل عرب میں سے کسی کے بھی دل میں اپنے نومولود بیٹے کو اس نام سے موسوم کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسم "احمد" کے ساتھ کتاب ہارون علیہ السلام میں بھی ایک بشارت درج تھی، جو نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات گرامی سے متعلق تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو مالکؓ (جو اسلام سے پہلے علمائے یہود میں تھے) سے تورات میں مذکور آپ ﷺ کی صفات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "آں حضرت ﷺ کی صفت حضرت ہارونؑ کی کتاب میں موجود ہے، جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ "احمد" نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، لے کر آئیں گے، تہبند ناف سے اوپر باندھتے ہوں گے، اپنے اعضاء کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے۔" (اصابہ ج ۴، ص ۱۷۲، بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱۰۱)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام بھی اسی نام

Marfat.com

مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کی تشریف آوری کی پیشین گوئی فرما چکے تھے، جو کتاب ہارون علیہ السلام میں درج تھی۔ کتاب مذکور ظہور اسلام تک اپنی اصلی حالت میں موجود تھی، مگر بعد کو حادثات زمانہ کی نذر ہو گئی۔

(۳۴) یہاں یہ بتانا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ کتاب یسعیاہ کے ارمنی ترجمے کے باب ۴۲ کے ایک فقرے میں بھی لفظ ''احمد'' استعمال ہوا ہے۔ فقرہ مذکورہ کچھ یوں ہے: ''خدا کی پاکی بیان کرو۔ نئے سرے سے اس کی بادشاہت کا اثر اس کی پشت پر ظاہر ہوا۔ اس کا نام ''احمد'' ہے۔ کتاب مذکور کے مترجم کا نام پادری ارشگان ارمنی ہے۔ یہ ترجمہ ۱۶۶۶ء میں کیا گیا اور ۱۷۳۳ء میں مطبع انٹونی پورٹولی میں چھپا۔ یہ ترجمہ جناب حیدر علی قریشی، صاحب سیف المسلمین کے زمانے تک موجود تھا اور موصوف نے اسے بہ چشم خود دیکھا تھا۔ اس کے بعد کا حال معلوم نہیں (دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۷۲ تا ۳۷۸)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سترہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھنے والے پادری موصوف کے نزدیک، فقرہ محولہ میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کا تعلق خاتم الانبیا ﷺ کی ذات گرامی سے ہے، جن کا نام نامی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق ''احمد'' ہے۔

(۳۵) مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ''عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انجیلوں میں اس عبارت کو پیش کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے'' (دیکھیے متی ۱: ۲۳ اور لوقا ۱: ۳۱، ۳۴)۔ مزید یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس معاملے میں بائبل کے شارحین سخت حیران ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی نام عمانوایل تھا یا نہیں، لیکن اس سے کم از کم اتنی بات، بہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشین گوئی اس کا نام بتا کر بھی کر دی جاتی ہے۔'' (بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ۳۷۷)، حاشیہ)۔

(۳۶) رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں۔ اقانیم ثلاثہ میں ''اب'' یعنی باپ پہلا اقنوم (اصل) ہے۔ اسی سے اقنون ثانی یعنی ''بیٹے'' کی ولادت ہوئی، جو عالم لاہوت میں ''باپ'' سے جدا بھی نہیں ہے اور پیدا بھی ہے۔ بعض کے نزدیک، اس کی پیدائش ازلی ہے اور بعض کے نزدیک، غیر ازلی۔ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ''باپ'' کی مشیئت کا فیصلہ ہوا تو قنوم ثانی یعنی ''بیٹا'' عالم ناسوت (کائنات ہست و بود) میں مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہو کر ''مسیح'' کہلایا۔ بعض کا تو یہ دعویٰ ہے کہ خود ''باپ'' ہی عالم ناسوت میں ''بیٹا'' بن کر مریم علیہا السلام کے بطن سے تولد ہوا اور مسیح کی شکل میں روشناس ہوا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ بعض کے نزدیک تو اقنوم ثانی یعنی بیٹے کو اقنوم اول یعنی باپ پر برتری اور تفوق حاصل ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے قصص القرآن، ج ۴، ص

Marfat.com

۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳)۔ ان دو اقانیم کے بعد روح القدس کا نمبر آتا ہے، جسے عام مسیحی عقیدے کے مطابق تیسرے اقنوم کا درجہ حاصل ہے۔ مگر حقیقت میں اقنوم ثانی کی طرح اس کے بارے میں بھی شدید اختلاف رائے ہے۔ ایک خیال کے بہ موجب چوں کہ عالم لاہوت میں اس کو الوہیت حاصل نہیں، اس لیے یہ سرے سے اقنوم ہی نہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ملائکۃ اللہ میں سے ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں سب سے بلند و برتر ہے۔ مارتوینوس کے بہ قول، روح القدس الگ سے کوئی حقیقت نہیں ہے، بلکہ اس کی تعبیر مجاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال پر مجازاً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ کلارک بھی اس کی الوہیت کا منکر ہے۔

اس کے برخلاف، بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو روح القدس کی الوہیت کے قائل ہیں۔ لیکن، بایں ہمہ، اس کے صدور کے متعلق ان میں بھی اختلاف ہے۔ بعض روح القدس کا فقط اقنوم اول (باپ) سے صادر ہونا تسلیم کرتے ہیں ۳۸۱ء میں منعقدہ کونسل قسطنطنیہ کی اس وضاحت کے بعد کہ اس کا صدور باپ ہی سے ہوا ہے۔ یہی عقیدہ عرصہ تک مسیحی دنیا میں نافذ رہا۔ لیکن ۴۴۷ء میں اول ہسپانیہ کلیسا نے پھر فرانس کے کلیسا اور اس کے بعد تمام لاطینی رومن کلیساؤں نے اس میں ترمیم کر کے ایک نئے عقیدے کو جنم دیا اور وہ یہ کہ ''روح القدس کا صدور اقنوم اول (باپ) اور اقنوم ثانی (بیٹا) دونوں سے ہوا ہے۔'' مزید تفصیل کے لئے دیکھیے، مصدر مذکور، ص ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶)۔

(۳۷) اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد جب عید پینٹی کوسٹ (pentecost) کا دن آیا تو یکا یک آسمان سے عجیب قسم کی آوازیں آئیں۔ لوگوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو آگ کے شعلوں کی مانند پھٹی ہوئی زبانیں نظر آئیں اور ہر ایک کو یہ محسوس ہوا کہ ان کی اپنی مادری زبان میں خدا کی عظمت و جلال کے کام بتلا رہا ہے۔ لوگ سخت حیرت میں تھے کہ پطرس حواری نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ یہ روح القدس ہے، جو یسوع مسیح علیہ السلام کے حکم سے تم پر نازل ہوئی ہے، اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم سب ایمان لے آؤ۔ چنانچہ تین ہزار فوراً ایمان لے آئے (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۲۹، حاشیہ ۲، از محمد تقی عثمانی، مزید تفصیل کے لئے دیکھیے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۴۲)۔ بائبل کے تمام شارحین کے بہ قول، انجیل یوحنا میں جس فارقلیط کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے، اس سے مراد یہی روح القدس ہے۔

عبارت بالا میں چوں کہ Pentecost کا ذکر آیا ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ دراصل یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو گیہوں کی فصل کاٹنے کی خوشی میں منایا

Marfat.com

جاتا تھا۔اس کے مفصل احکامات کتاب خروج ۲۳: ۱۶ اور ۳۴: ۲۲ احبار ۲۳: ۱۵ تا ۲۱، گنتی ۲۸: ۲۶ تا ۳۱ اور استثنا ۱۶: ۹ تا ۱۲ میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ Pentecost کے معنی یونانی زبان میں ''پچاسویں دن'' کے ہیں۔چونکہ یہ تہوار عید فسح کے پچاسویں دن منایا جاتا تھا، اس لیے اس کو پینٹی کوسٹ کہتے ہیں۔۱۶ نیسان (اپریل) کے بعد پورے سات ہفتے گزار کر یہ دن آتا تھا اور اس میں شکرانے کے طور پر مختلف رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔(دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۲۹، حاشیہ نمبر ۱)۔

(۳۸) اس لیے کہ بہ قول مولانا عثمانی، جب روح القدس معبود ٹھہری، تو اسے کچھ کہنے کے لئے کسی سے سننے کی کیا ضرورت ہے۔(دیکھیے مصدر بالا ص ۳۲۹، حاشیہ نمبر ۱)۔

(۳۹) اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عثمانی صاحب فرماتی ہیں ''مطلب یہ ہے کہ جب روح القدس کو تمام کمالات بالفعل حاصل ہیں تو اسے کسی سے حاصل کرکے خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔یہ بات تو صرف ایسی شخصیت پر صادق آسکتی ہے جسے کمالات بہ تدریج حاصل ہوتے ہیں۔اسے پہلے کسی بات کا علم نہ ہو، بعد میں اسے کوئی علم عطا کرے۔یہ بات آں حضرت ﷺ پر ہی صادق آسکتی ہے۔'' (مصدر بالا ص ۳۴۰، حاشیہ نمبر ۱)۔

(۴۰) جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، تو حضرت عبداللہ بن سلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا ''آپ ﷺ سے میں تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔آں حضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا، تو فوراً بول اٹھے ''اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدأنک رسول اللہ ''اس کے بعد کہا کہ یہود افترا پرداز قوم ہے۔ میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں۔آپ ﷺ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے۔لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔آں حضرت ﷺ نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔فرمایا ''وہ مسلمان ہوسکتے ہیں؟ جواب ملا: ''کبھی نہیں۔'' عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آں حضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا ''ذرا خدا سے ڈرو، تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں، اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے، اور باایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے۔'' یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو آتش زیرپا کردیا اور غصے میں کہا کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ نے کہا ''رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا، مجھ کو اسی کا خوف تھا'' (مزید معلومات کے لئے دیکھیے صحیح البخاری ج ۱، ص ۵۵۶ اور ۵۶۱۔ نیز دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعین، ص ۶۹، ۷۰)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ خازن میں ترمذی سے عبداللہ بن سلام کا یہ قول منقول ہے کہ توریت میں رسول اللہ ﷺ کی صفت لکھی ہوئی ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔ (دیکھیے مکمل بیان القرآن، ج ۱۲، ص ۳۔ میں نے جامع الترمذی، ج ۲ میں ص ۲۲۱ پر مناقب عبداللہؓ بن سلام کے ذیل میں اس روایت کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس میں یہ مجھے نہیں ملی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور جگہ درج ہو۔ راقم)۔

اس روایت میں توریت کا لفظ آیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک، اس کی توجیہ یہ ہے کہ چوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام توریت کے مبلغ تھے۔ اس لیے توریت میں اس بشارت کا ہونا نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول کہا جائے گا۔ (دیکھیے حوالہ مذکور)۔

(۴۱) یعنی حضرت میمونؓ بن یامین۔ ان کا تعلق یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھا۔ اسلام لانے سے پہلے آپ اپنے قبیلے میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا۔ ''رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو حضرت میمونؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی و سعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے، تو اچھا تھا۔ آں حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ ﷺ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کرلیں، جس کے فیصلے پر دونوں فریق گردن جھکا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوا بھیجا اور میمونؓ سے کہا کہ تم مکان کے اندر چلے جاؤ۔ یہود آئے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کرو، جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلے پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہم میمونؓ بن یامن (کذا) کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کرلی، تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آں حضرت ﷺ نے میمونؓ کو آواز دی وہ مکان سے نکلے اور فرمایا: ''اشھدان محمداً رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔'' لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن و تشنیع شروع کردی اور واپس چلے گئے۔ (اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۹۳، ۹۴)۔

(۴۲) حضرت مخیریقؓ کا تعلق قبیلہ نضیر سے تھا۔ آپؓ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا (دیکھیے تفسیر حقانی، ج ۳، ص ۴۴۹

Marfat.com

اوراہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ، ص۹۲)۔اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

(۴۳) حضرت کعبؓ یہود کے جید علما میں شمار کیے جاتے تھے، عہد رسالت میں موجود تھے۔ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو بلکہ تین مختلف روایتیں پائی جاتی ہیں۔ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد رسالت ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب یمن آئے، تو ان کی خدمت میں حاضر ہوکر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے۔انہوں نے بتائے، تو میں مسکرایا۔حضرت علیؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔میں نے کہا کہ ہمارے (یہاں نبی آخر الزماں کے) جو علامات بتائے گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔اسی لیے مجھے ہنسی آ گئی۔اس سوال وجواب کے بعد میں مسلمان ہوگیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔حضرت عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی۔دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اسلام لائے۔مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کے نزدیک یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ان کے بہ قول، اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد میں کعبؓ کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے، جس سے خود کعبؓ کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔حضرت سعیدؒ بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعبؓ کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں قبول اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو تورات سے ایک تحریر نقل کردی تھی اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا دوسرے اپنی تمام مذہبی کتبوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کا نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے، اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہ رہ گیا، تو اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے علم چھپایا ہے۔مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے۔چنانچہ، میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں، تو مجھ پر نظر آیا کہ ان میں محمد ﷺ اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہوگیا۔(طبقات ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۵۶ بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ وتابعین، ص ۱۱۵، ۱۱۶)۔

مولانا مجیب اللہ ندوی موصوف فرماتے ہیں کہ ''کعبؓ کی علمی لیاقت میں کوئی شک نہیں وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے۔لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص وحکایات تھیں، اس

Marfat.com

لیے کعبؒ کا سرمایہ معلومات بھی تمام تر یہی تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہوگئیں۔ اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعبؒ کو روایات میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔'' (اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۱۱۸)۔

حضرت کعبؒ کی وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت (۲۳ھ) میں شام میں ہوئی۔ (ایضاً)۔

(۴۴) حضرت وہبؒ کے مفصل حالات زندگی کے لئے دیکھیے مصدر مذکور بالا، ص ۱۲۴ تا ۱۲۹۔

(۴۵) ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ یہ علمائے نصاریٰ میں سے تھے۔ انہوں نے حبشہ ہی میں اسلام قبول کیا۔ جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے مدینہ واپس آئے، تو آپ بھی ان کے ہمراہ وارد مدینہ ہوئے اور زیارت نبوی سے سرفراز ہو کر اعزاز صحابیت سے شرف اندوز ہوئے۔ (دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۲)۔

(۴۶) ان کا ذکر بھی ابتداء میں آچکا ہے۔ یہ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۱۰)۔

(۴۷) آپؓ کا نام بشر اور کنیت ابومنذر ہے۔ جارود آپؓ کا لقب ہے، جو ایک خاص واقعے کی یادگار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپؓ نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ اس وجہ سے آپؓ کا لقب جارود پڑ گیا۔ (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۲۳، لفظ ''جارود''، ''جرد'' سے مشتق ہے، جس کے معنی چھیلنے، زمین کو چٹیل میدان بنا دینے اور بے برگ و بار کرنے کے ہیں (دیکھے المنجد، عربی، اردو، دہلی، ص ۱۴۴، نیز المعجم الوسیط، دیوبند، ۱۹۹۷ء ص ۱۱۵۔) آپؓ کا نسب نامہ یہ ہے: جارود بن عمرو بن معلیٰ (دیکھیے اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۲۳)۔

حضرت جارودؓ اپنے قبیلے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ جب آپؓ قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں یمن سے مدینہ آئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو سرکار مدینہ ﷺ نے آپؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ آپؓ نے کہا ''اے محمد (ﷺ) میں ایک مذہب پر تھا۔ آپ ﷺ کے مذہب کیلئے اپنے مذہب کو خیرباد کہنے والا ہوں۔ میرے تبدیل مذہب کے بعد آپ ﷺ میرے ضامن ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں میں تمہارا ضامن ہوں۔ خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے۔'' اس کے بعد جارودؓ بہ گوش اسلام ہوگئے۔ ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی دولت ایمان سے شرف اندوز ہوئے۔ تاجدار مدینہ ﷺ کو ان کے اسلام قبول کرنے پر از حد مسرت ہوئی۔ (دیکھیے السیرة النبویة، ج ۴، ص ۱۲۴، اور اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ، ص ۲۳)۔

Marfat.com

بعض روایتوں میں ہے کہ جب جارودؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جارودؓ! تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔ جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کے صفات انجیل میں دیکھے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کے آنے کی خوشخبری دی ہے پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا: "آپ ﷺ اپنا ہاتھ پھیلائیں۔" پھر آپؓ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (تاریخ ابن عساکر، ص ۳۵۶، بہ حوالہ اہل کتاب صحابہؓ و تابعین، ص ۲۴، حاشیہ)۔

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت جارودؓ اپنے وطن واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں آپؓ نے بصرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ایران کی فوج کشی میں آپؓ شریک ہوئے اور بہ اختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکے میں شہید ہوئے۔ (اصابہ ج ۱، ص ۲۱۷، بہ حوالہ مصدر مذکور، ص ۲۴)۔

(۴۸) عبداللہ بن صوریا یہودیوں کا زبردست عالم تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ یہودیوں کی مذہبی درس گاہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا: "تم اپنے سب سے بڑے عالم کو پیش کرو۔" لوگوں نے کہا ایسا شخص عبداللہ بن صوریا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو خلوت میں لے جا کر اس کو اس کے مذہب کا واسطہ اور ان انعامات کا جو یہودیوں پر اللہ نے کیے اور من و سلویٰ کے عطیے اور بدلی کے سائے کا واسطہ دیا، اور قسم دی کہ کیا تجھ کو یقین ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ کہنے لگا بے شک، اور سارے یہودی بھی ایسا ہی علم و یقین رکھتے ہیں جیسا کہ میں رکھتا ہو، اور آپ ﷺ کے اوصاف اور حالات توریت میں مذکور ہیں، مگر یہودیوں نے آپ ﷺ پر حسد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تجھ کو کون سی چیز مانع ہے؟ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کا اتباع کریں گے پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا (بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۲۴۲، مولانا کیرانویؒ صاحب نے اس روایت کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا)۔

(۴۹، ۵۰) حضرت صفیہؓ بنت حییؓ کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اور قبا میں آپ ﷺ کا قیام ہوا، آپ ﷺ کے پاس میرے باپ حییؓ بن اخطب اور میرے چچا، ابو یاسر بن اخطب، بہ حالت مفلسی حاضر ہوئے اور غروب آفتاب تک وہاں سے واپس نہیں ہوئے۔ پھر دونوں اس حالت میں آئے کہ بہت سست اور گرتے پڑتے کمزور چال سے چلتے تھے۔ میں نے ان کی دل بستگی اور دل جوئی کی کوشش کی، مگر دونوں میں سے ایک نے بھی میری جانب اس فکر کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا تھے، التفات نہیں کیا پھر میں نے اپنے چچا کو باپ سے یہ کہتے سنا کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کی

Marfat.com

بشارت توریت میں دی گئی ہے؟ میرے والد نے جواب دیا: ''بے شک'' چچا نے کہا: ''کیا تم کو اس کا یقین اور وثوق ہے؟'' کہا: ''ہاں۔'' کہنے لگے کہ تمہارے دل میں ان کی طرف سے کس قسم کا خیال ہے؟ کہا: ''خدا کی قسم! جب تک زندہ ہوں، عداوت ہی رہے گی۔'' (دیکھیے مصدر سابق، ص ۲۴۳، مولانا کیرانویؒ صاحب نے اس روایت کے ماخذ کا بھی حوالہ درج نہیں کیا)۔

(۵۱) کتاب اعمال جسے انجیل لوقا کی دوسری جلد ہونے کا اعزاز حاصل ہے، لوقا کی تصنیف تصور کی جاتی ہے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۱۴۱، حاشیہ، رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۹۷، حاشیہ اور The Holy Bible (کیتھولک ایڈیشن فار انڈیا)، عہد نامہ جدید، ص ۱۱۶)۔

(۵۲) حضرت حنوک علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام سے ساتویں پشت میں تھے، اور عیسائی مورخین کے مطابق، ان کے عروج آسمانی کے تین ہزار سترہ سال کے بعد مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۰۲)۔

(۵۳) مزید تفصیل کیلئے دیکھیے ب س ق ت، ج ۳، ص ۳۰۵ اور سیرت النبی، ج ۳، ص ۷۸۹۔

(۵۴) سینٹ یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ انہوں نے یہ مکاشفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جہان فانی سے تشریف لے جانے کے بعد لکھے تھے۔ ان مکاشفات میں ان باتوں کا ذکر ہے جو یوحنا کے بعد دنیا میں پیش آنے والی تھیں۔ (دیکھیے رحمتہ للعالمین، ج ۱، ص ۴۴، حاشیہ ۲)۔

(۵۵) یہ ارباب سِیَر کا پیرائیہ بیان ہے۔ لیکن بہ قول علامہ شبلی ''ایوان کسریٰ نہیں، بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں، بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آزکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی۔ آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاقِ انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا۔'' (سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۷۰، ۱۷۱)۔

(۵۶) دیکھیے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۱۹، ۳۲۰۔

(۵۷) دیکھیے مصدر، مذکور، ص ۳۲۰۔

❀❀❀

Marfat.com

کتابیات

(۱) ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، جلدِ اول، سوم و چہارم، دارالجیل، بیروت، ۱۹۸۷ء۔

(۲) بک، الشیخ محمد الخضری: نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، دارالجیل، بیروت، تاریخ نہ دارد۔

(۳) جامع الترمذی، جلد دوم، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، تاریخ درج نہیں۔

(۴) صحیح البخاری، جلد اول و دوم، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، تاریخ مذکور نہیں۔

(۵) الطبری: تاریخ الطبری، جلد اول و دوم، بیروت ۱۹۸۳ء۔

(۶) القرآن المجید۔

(۷) الکتاب المقدس، کیمبرج، ۱۹۵۲ء۔

(۸) المعجم الوسیط، دیوبند، ۱۹۹۷ء۔

(۹) ابنِ اسحاق: سیرتِ ابنِ اسحاق، مع تحقیق و تعلیق، از ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم، اردو ترجمہ از نور الٰہی ایڈووکیٹ، دہلی ۲۰۰۰ء۔

(۱۰) اصفہانی راغب: مفردات القرآن (المفردات فی غریب القرآن کا اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۶۳ء۔

(۱۱) اصلاحی، امین احسن (مولانا)، تدبرِ قرآن، جلدِ دوم، ہفتم و ہشتم، دہلی ۱۹۸۹ء۔

(۱۲) برناباس: برناباس کی انجیل (The Gospel of Barnabas کا اردو ترجمہ از آسی ضیائی) دہلی، ۱۹۸۲ء۔

(۱۳) بریلوی، احمد رضا خاں (اعلیٰ حضرت) کنز الایمان، حفیظ بک ڈپو، دہلی، تاریخ نہ دارد۔

(۱۴) بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، دہلی، ۱۹۷۲ء۔

(۱۵) تھانوی، اشرف علی (مولانا) مکمل بیان القرآن، جلد ۱۲، دہلی، تاریخ درج نہیں۔

(۱۶) جوناگڑھی، محمد (مولانا) قرآنِ کریم (اردو ترجمہ)، مدینہ منورہ، ۱۴۱۸ھ۔

(۱۷) حالی (مولانا) مدوجزرِ اسلام (معروف بہ مسدسِ حالی) علی گڑھ، ۱۹۰۳ء۔

(۱۸) حقانی عبدالحق (مولانا تفسیر فتح المنان (معروف بہ تفسیرِ حقانی)، جلد دوم، سوئم و چہارم، دہلی، تاریخ نہ دارد۔

Marfat.com

(۱۹) خدا بخش لائبریری جرنل، نمبر ۱۳۱، بابت جنوری، مارچ ۲۰۰۳ء پٹنہ۔
(۲۰) دریابادی، عبدالماجد تفسیر قرآن (معروف بہ تفسیرِ ماجدی)، جلد اول، لکھنو، ۱۹۹۵ء۔
(۲۱) سرسید: الخطبات الاحمدیہ (اردو)، لاہور، تاریخ مندرج نہیں۔
(۲۲) سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن (مولانا) قصص القرآن، جلدِ اول، ۱۹۹۶ء وجلد چہارم ۱۹۹۴ء، دہلی۔
(۲۳) شبلی (مولانا): سیرت النبی، جلد اول، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء۔
(۲۴) شبلی (مولانا): الفاروق، جلدِ دوم، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء۔
(۲۵) صحیح مسلم مع اردو ترجمہ از مولانا وحید الزماں، جلدِ پنجم وششم، دہلی، تاریخ نہ دارد۔
(۲۶) عثمانی، محمد رفیع (مفتی): کتابت حدیث عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں دیوبند، تاریخ تکمیل، ۱۴۰۰ھ۔
(۲۷) فراہی، حمید الدین: تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی)، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء
(۲۸) کتابِ مقدس، بنگلور، ۱۹۶۸ء۔
(۲۹) کتاب نما (ماہنامہ)، اپریل ۲۰۰۳ء، دہلی۔
(۳۰) کیرانویؒ، رحمت اللہ، اظہار الحق (اردو ترجمہ بہ عنوان ''بائبل سے قرآن تک'' جلدِ سوم، از مولانا اکبر علی، مع شرح وتحقیق از مولانا محمد تقی عثمانی) دیوبند، تاریخ مذکور نہیں۔
(۳۱) گیلانی، مناظر احسن (مولانا تدوینِ حدیث، دیوبند، ۱۹۸۳ء۔
(۳۲) گیلانی، مناظر احسن (مولانا) النبی الخاتم، دیوبند تاریخ مندرج نہیں۔
(۳۳) محمد حمید اللہ (ڈاکٹر) خطبات بہاولپور، دہلی، ۱۹۹۷ء۔
(۳۴) محمد حمید اللہ (ڈاکٹر): رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی، دہلی، ۱۹۸۷ء۔
(۳۵) محمد حمید اللہ (ڈاکٹر): محمد رسول اللہ (اردو ترجمہ) از نذیر حق، دہلی، ۲۰۰۳ء۔
(۳۶) معارف (ماہنامہ)، مارچ ۲۰۰۳ء، اعظم گڑھ۔
(۳۷) المنجد (عربی۔اردو)، دہلی بدون تاریخ۔
(۳۸) منصور پوری، قاضی محمد سلیمان: رحمۃ للعالمین، جلدِ اول، دوم وسوم، دہلی، ۱۹۸۰ء۔
(۳۹) مودودی، سید ابوالاعلیٰ: تفہیم القرآن، جلدِ پنجم، دہلی، ۱۹۷۳ء۔

Marfat.com

(۴۰) مودودی، سید ابوالاعلیٰ: سیرتِ سرورِ عالم، جلدِ اول، دوم، دہلی، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء۔

(۴۱) ندوی ابوالحسن علی (مولانا نبیِ رحمت، لکھنو، ۱۹۸۱ء۔

(۴۲) ندوی، سید سلیمان: سیرت النبی، جلدِ سوم، اعظم گڑھ، ۱۹۷۶ء۔

(۴۳) ندوی، مجیب اللہ (مولانا): اہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ، اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء۔

(۴۴) ہیکل محمد حسین: حیاتِ محمد (اردو ترجمہ از ابویحییٰ امام خاں) دہلی، ۱۹۸۸ء۔

(45) Ali Abdullah Yusuf: The Holy Quran, Madina. 1410 A.H.

(46) Barnabas: The Gospal of Barnabas (ed. & tr. into English by Lonsdale and Laura Ragg). Idara-e- Ishaat-e Diniyat, Delhi, n.d.

(47) Durrani M.H (Dr): The Forgotten Gospel of St Barnabas, (Kitab Bhavan, New Delhi). 2003.

(48) Have, J.G: Al-Faraid al-Durriyah, Beiruat, 1964.

(49) Hitti P.K: History of the Arabs, London, 1972.

(50) The Holy Bible (Commonly Knwon as the authorized King James Version), U.S.A. 1979.

(51) The Holy Bible (The New Revised Standard Version Catholic Edition for India), Banglore, 1993.

(52) Islam: The First and Final Religion, Baroda, 1982.

(53) Muhammad Hamidullah: Muhammad Resulullah, Hyderabad, 1974.

(54) Muhammad Hamidullah: Sahifa Hammam ibn Munabbih. Hyderabad, 1979.

(55) Penrice, John: A Dictionary and Glossary of the Koran, Delhi. 1978.

(56) Qureshi, Sultan Ahmad. Lettersof the holy Prophets. Delhi, 1986.

(57) Sale, George: The Koran, London, n.d.

☆☆☆

Marfat.com

کتبِ سابقہ

میں

سید المرسلین ﷺ سے متعلق بشارتیں

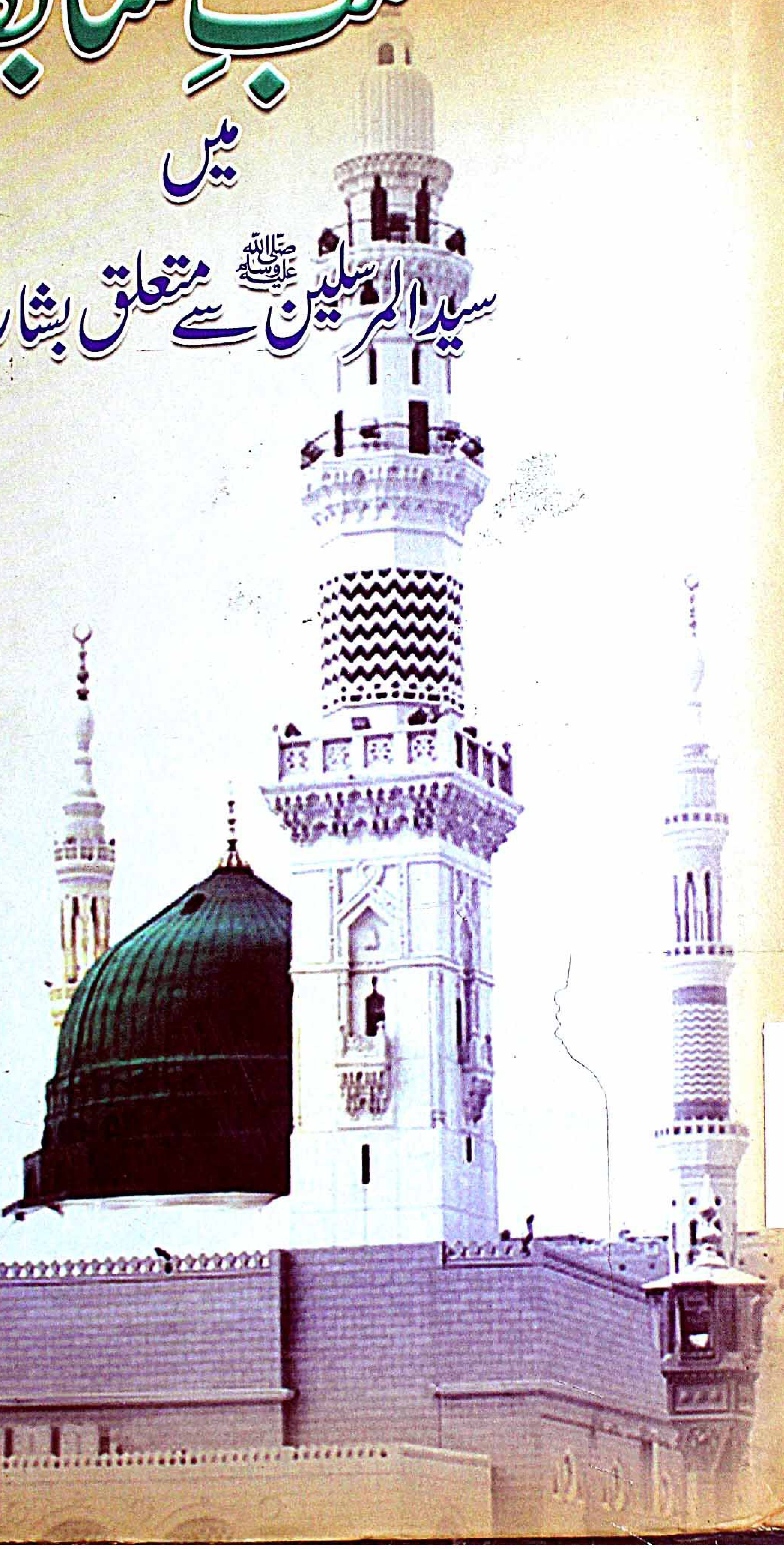

مقصود احمد

Marfat.com